- القول المرفوع فی إدراک الرکعة لمن أدرک الرکوع۔

[رکوع ملنے سے رکعت بھی مل جائے گی، اگرچہ **سورۃ الفاتحۃ** نہ پڑھی ہو]

ناشر: الاجماع فاؤنڈیشن

فہرست مضامین

نوٹ:

حضرات! ہم نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ اس رسالہ میں کتابت (ٹائپنگ) کی کوئی غلطی نہ ہو، مگر بشریت کے تحت کوئی غلطی ہو جانا امکان سے باہر نہیں۔ اس لئے آنحضرات سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ کتابت کی کسی غلطی پر مطلع ہوں تو اسے دامن عفو میں چھپانے کے بجائے ادارہ کو مطلع فرمادیں، تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔ جزاکم اللہ خیراً

ہمارا نظریہ

ہمیں کسی سے عناد و دشمنی نہیں ہے، حدیث میں نماز کے سلسلے میں متعدد روایتیں آئی ہیں۔ ایک پر اگر غیر مقلدین عمل کرتے ہیں، تو ان سے کیوں لڑا جائے، جب کہ وہ بھی حدیث میں آیا ہے۔ لیکن جب وہ حنفیوں کو طعنہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث پر عمل نہیں کرتے قیاس پر عمل پیرا ہیں، تو اس وقت سوچو! کیسے خاموش رہا جائے اور یہ کیوں نہ بتایا جائے کہ حدیث پر تم سے زیادہ عمل کرنے والے ہم ہیں اور تم سے زیادہ حدیث جاننے والے ہم ہیں۔ -محدث ابوالمآثر، حبیب الرحمٰن اعظمیؒ (م ۱۴۱۲ھ)

بادلِ ناخواستہ

انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ فرقہ اہل حدیث اور دوسرے باطل فرقے اپنی تعلیمات اپنے سننے والوں میں بیان کرنے کی بجائے ہمیشہ دوسروں پر، اکثر غیر مناسب انداز میں اعتراض کرنے کو ترجیح دیتا ہے اور اہل حق علماء کو گمراہ اور کافر کہنے تک سے گریز نہیں کرتے، جس سے فتنہ برپا ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے اس فتنے کو بند باندھنے کیلئے بادل ناخواستہ قلم اٹھانا پڑتا ہے، ورنہ ملکی اور عالمی حالات اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی صلاحیتیں کہیں اور صرف ہوں۔

ادارہ: الاجماع فاؤنڈیشن

القول المرفوع

فی

إدراک الرکعة لمن أدرک الرکوع

[رکوع ملنے سے رکعت بھی مل جائے گی،

اگرچہ سورۃ الفاتحۃ نہ پڑھی ہو]

- مفتی ابواحمد، عاصف المدنی
- مولانا محمد نذیر الدین قاسمی
- ڈاکٹر شہاب علوی

امام کے پیچھے، رکوع ملنے سے رکعت بھی ملے گی یا نہیں، اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، مگر راجح قول میں رکوع ملنے سے رکعت بھی ملے گی، اگرچہ سورۃ الفاتحۃ نہ پڑھی ہو، یہی جمہور کا قول ہے، جس کے دلائل درج ذیل ہیں:

دلیل نمبر ''۱'':　　[حدیث ابی بکرۃؓ]

امام ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل البخاریؒ (م۲۵۶ھ) نے کہا:

حدثنا موسى بن إسماعيل، قال: حدثنا همام، عن الأعلم وهو زياد، عن الحسن، عن أبي بكرة، أنه انتهى إلى

النبي صلى الله عليه وسلم وهو راكع، فركع قبل أن يصل إلى الصف، فذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال: زادك الله حرصا ولا تعد۔

حضرت ابوبکرۃ ؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے لیے اس وقت پہنچے جب آپ ﷺ رکوع میں تھے، اس لیے صف تک پہنچنے سے پہلے ہی انہوں نے رکوع کر لیا، پھر اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تمہارا شوق اور زیادہ کرے، لیکن دوبارہ ایسا نہ کرنا۔ (**صحیح البخاری: حدیث نمبر ۷۸۳**)،

یہاں <u>**حضرت ابوبکرۃ ؓ** نے رکعت پانے</u> کی خاطر، صف تک پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کر لیا تھا، جس کی تفصیل "**دلیل نمبر ۲**" میں آرہی ہے۔

<u>دلیل نمبر "۲":</u>

امام اہل السنۃ، امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) نے کہا:

حدثنا عبد الصمد، حدثنا بشار الخياط، قال: سمعت عبد العزيز بن أبي بكرة، يحدث أن أبا بكرة، جاء والنبي صلى الله عليه وسلم راكع، فسمع النبي صلى الله عليه وسلم صوت نعل أبي بكرة وهو يحضر، <u>يريد أن يدرك الركعة</u>، فلما انصرف النبي صلى الله عليه وسلم قال: " من الساعي؟ " قال أبو بكرة: أنا، قال: " زادك الله حرصا، ولا تعد۔

حضرت ابوبکرہ ؓ نماز کیلئے تشریف لائے اس حال میں کہ نبی اکرم ﷺ رکوع میں تھے، تو نبی اکرم ﷺ کے کانوں تک ابوبکرہ ؓ کی چپلوں کی آواز پہنچی، وہ تیز قدموں سے آرہے تھے تاکہ رکعت پالیں، نماز مکمل فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کون دوڑ رہا تھا؟ ابوبکرہ ؓ نے فرمایا: میں، تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کی حرص میں بڑھوتری فرمائے، آئندہ ایسا نہ کیجئے۔ (**مسند الامام احمد: ج ۳۴: ص ۸۱-۸۲، حدیث نمبر ۲۰۴۳۵**)،

<u>سند کی تحقیق:</u>

(۱) امام اہل السنۃ، امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) مشہور امام، ثقہ، حجت، حافظ، فقیہ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۹۶**)،

(۲) عبد الصمد بن عبد الوارث البصریؒ (م ۲۰۷ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۴۰۸۰**)،

(۳) بشار بن عبد الملک الخیاط المزنی کو امام ابن معینؒ (م ۲۳۳ھ) نے ضعیف کہا ہے، اور حافظ ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے

ان کو ''الثقات'' میں شمار کیا ہے۔(لسان المیزان: ج ۲: ص ۲۸۵، نیز دیکھئے ص ۱۱)،

لہذا اگر بشار ضعیف بھی ہوں، تب بھی، ان کا ضعف خفیف ہونے کی وجہ سے، وہ متابعت میں مقبول ہیں۔

نوٹ:

بشار بن عبد الملکؒ نے یہاں پر ''سمعت'' کہہ کر سماع کی تصریح کر دی ہے، لہذا یہاں سند متصل ہے۔

(۴) عبد العزیز بن ابی بکرۃؒ سنن ثلاثۃ ماخلا النسائی کے راوی اور صدوق ہیں۔(تقریب: رقم ۴۰۸۶)،

نوٹ:

عبد العزیز بن ابی بکرۃؒ سے بعض لوگ، عبد العزیز بن عبد اللہ بن ابی بکرۃ مراد لیتے ہے اور ان کے نزدیک، عبد العزیز بن ابی بکرۃ عن ابی بکرۃ کی سند مرسل ہے، مگر یہ قول مرجوح ہے، کیونکہ ائمہ نے صراحت کی ہے کہ عبد العزیز بن ابی بکرۃ نے اپنے والد، ابوبکرۃؓ سے روایت لی ہے اور عبد العزیز سے ان کے بیٹے بکار بن عبد العزیز نے روایت لی ہے، چنانچہ

- حافظ ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے کہا: ''عبد العزيز بن أبي بكرة الثقفي أخو عبد الرحمن، وعبيد الله، ويزيد، ومسلم، ورواد بنو أبي بكرة، يروي عن: أبيه، عِدَادُهُ في أهل البصرة، رَوَى عَنْهُ: ابْنه بكار بْن عَبْد العزيز''۔(کتاب الثقات لابن حبان: ج ۵: ص ۱۲۲)،

- امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) نے کہا: ''عبد العزيز بن أبي بكرة الثقفي عن أبيه، روى عنه ابنه بكار وعبد ربه بن عبيد، البصري هو أخو عبد الرحمن وعبيد الله ويزيد ومسلم ورواد''۔(التاریخ الکبیر: ج ۶: ص ۹)،

- حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے کہا: ''عبد العزيز بن أبي بكرة الثقفي عن أبيه وعنه ابنه بكار''۔(الکاشف: رقم ۳۳۷۸)، غالباً یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے صیغہ تمریض کے ساتھ کہا: ''عبد العزيز بن أبى بكرة: نفيع، **ويقال**: ابن عبد الله بن أبى بكرة''۔(تقریب: رقم ۴۰۸۶، نیز دیکھئے موارد الظمان: ج ۶: ص ۱۲۴، ت الدارانی)،

لہذا عبد العزیز بن ابی بکرۃؒ کو عبد العزیز بن عبد اللہ بن ابی بکرۃ کہنا محل نظر ہے۔

اور ائمہ نے بھی صراحت کی ہے، کما مر، کہ عبد العزیز بن ابی بکرۃؒ نے اپنے والد، حضرت ابوبکرۃؓ سے روایت لی ہے، تو غیر مدلس راوی کا ''عنعنہ'' سماع پر محمول ہوتا ہے، جب تک کہ دلیل سے ثابت نہ ہو جائے کہ انہوں نے اس شیخ سے نہیں سنا، لہذا عبد العزیز بن ابی بکرۃ عن ابی بکرۃ کی سند متصل ہے۔ واللہ اعلم

نیز، ائمہ کے ان ارشادات کی وجہ سے، اس مسند احمد کی روایت کے متن ''عبد العزيز بن أبي بكرة، يحدث أن أبا

بکرۃ جاء والنبي صلى الله عليه وسلم راكع'' کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ عبد العزیز بن ابی بکرۃ نے یہ روایت، دراصل اپنے والد، ابوبکرۃ ؓ سے سنی اور پھر اسکو، ان کے واسطہ سے، نبی ﷺ سے نقل کیا، کیونکہ ابوبکرۃ ؓ، عبد العزیز کے استاد ہیں اور عبد العزیز بن ابی بکرۃؒ، ان کے بیٹے وشاگرد ہیں، جیسا کہ ائمہ نے صراحت کی ہے۔

لہذا اس سند کو مرسل کہنا قابل غور ہوگا۔ واللہ اعلم

(۵) حضرت ابوبکرۃ ؓ (م ۵۲ھ) صحابی رسول ﷺ ہیں۔ (تقریب: رقم ۷۱۸۰)،

حکم:

اس سند کے تمام رواۃ ثقہ یا صدوق ہیں، سوائے بشار بن عبد الملک المزنی کے، وہ ضعیف ہیں، مگر متابع میں مقبول ہیں، اور اگلی روایت سے، اس کی تائید ہوتی ہے، لہذا مسندِ احمد کی یہ روایت مقبول وحجت ہے۔ واللہ اعلم

چنانچہ جزءقراءۃ خلف الامام میں ہے کہ

حدثنا محمود قال: حدثنا البخاري قال: حدثنا محمد بن مرداس أبو عبد الله الأنصاري، قال: حدثنا عبد الله بن عيسى أبو خلف الخزاز، عن يونس، عن الحسن، عن أبي بكرة، رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى صلاة الصبح، فسمع نفسا شديدا أو بهرا من خلفه، فلما قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لأبي بكرة: أنت صاحب هذا النفس؟ قال: نعم، جعلني الله فداك، خشيت أن تفوتني ركعة معك فأسرعت المشي، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: زادك الله حرصا ولا تعد صل ما أدركت واقض ما سبق۔

نبی اکرم ﷺ فجر کی نماز ادا فرما رہے تھے، تو آپ نے پیچھے سے سانس پھولنے یا ہانپنے کی آواز سنی، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ابوبکرہ ؓ سے دریافت فرمایا کہ آپ کی سانس پھول رہی تھی؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں! میں آپ پر قربان، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ کی اقتداء میں میری ایک رکعت فوت نہ ہوجائے، اس لئے میں تیزی سے چلا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کی حرص میں اضافہ کرے، دوبارہ نہ کریئے، جتنی رکعتیں مل جائیں، انہیں پڑھ لو اور جو چھوٹ جائیں ان کی قضا کرلیں۔ **(جزءقراءۃ خلف الامام: ص ۴۸، حدیث نمبر ۱۲۵)**،

سند کی تحقیق:

اس سند میں محمد بن مرداس، ابوعبد اللہ الانصاریؒ (م ۲۴۹ھ) صدوق، حسن الحدیث ہیں۔ **(تحریر تقریب التہذیب: رقم ۶۲۷۸)**، البتہ اس سند میں عبد اللہ بن عیسی، ابوخلف البصری ضعیف ہیں، **(تقریب: رقم ۳۵۲۴)**، مگر چونکہ وہ متفق علیہ طور پر نہ

متروک اور نہ ہی متہم بالکذب ہیں، غالباً یہی وجہ ہے کہ حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے کہا: ''فیه ضعف''۔ (**دیوان الضعفاء: رقم ۲۲۵۹، دیکھئے، ص: ۱۲**)، لہذا ان کی یہ روایت متابع میں ذکر کی جا سکتی ہے اور مسند الامام احمد کی روایت کے ساتھ مل کر، یہ دونوں روایتیں حسن لغیرہ درجہ کی ہونگی، یعنی متابع کی وجہ سے، ان دونوں روایتوں پر کلام فضول ہوگا۔

تشریح:

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرہ الثقفی نفیع بن الحارثؓ (م ۵۲ھ) کو رکعت لوٹانے کا حکم نہیں دیا تھا، حالانکہ انہوں نے سورۃ الفاتحۃ نہیں پڑھی تھی اور سیدھا رکوع میں چلے گئے تھے، اور اس کا ذکر، انہوں نے نبی ﷺ سے کیا بھی تھا۔

نیز مسند الامام احمد کی روایت میں تصریح ہے کہ حضرت ابوبکرۃؓ نے رکوع پانے کے لئے، اس وجہ سے دوڑ لگائی کہ وہ چاہتے تھے کہ ان کی رکعت نہ چھوٹے، جزء قراءۃ کی روایت میں ذکر ہے کہ انہوں یہ بات، رسول اللہ ﷺ کو بھی بتائی، مگر ان سب کا علم ہونے کے باوجود، آپ ﷺ نے ان کو رکعت لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔

لہذا اس سے معلوم ہوا کہ رکوع ملنے سے رکعت مل جاتی ہے، اور یہی ائمہ حدیث کا کہنا ہے، چنانچہ

(۱) حافظ ابن رجب الحنبلیؒ (م ۷۹۵ھ) نے کہا:

''وفي هاتين الروايتين: مايدل على اعتداده بتلك الركعة، وهذا أمر غير مشكوكٍ فيه، وأنما يحتاج إليه لتعنت من يتعنت''۔

ان دونوں روایتوں میں اس رکعت کے شمار کئے جانے کی دلیل موجود ہے، اور یہ (یعنی اس دلیل کا ان دونوں روایتوں میں پایا جانا) یقینی چیز ہے، اس پر اعتراض (کہ ان روایتوں میں رکعت پائے جانے کی صراحت موجود نہیں ہے) وہی کرتا ہے جو بلاوجہ تشدد کرتا ہے۔ (**فتح الباری لابن رجب: ج ۷: ص ۱۲۴**)،

* نیز اور جگہ تفصیل کے ساتھ، امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) کے اعتراض کے جواب میں کہا:

''وقد أجاب البخاري في ((كتاب القراءة)) عن حديث أبي بكرة بجوأبين:

أحدهما: أنه ليس فيه تصريح بأنه اعتد بتلك الركعة،

والثاني: أن النبي - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - نهاه عن العود إلى مافعله،

فأما الأول، فظاهر البطلان، ولم يكن حرص أبي بكرة على الركوع دون الصف إلا لإدراك الركعة، وكذلك

كل من أمر بالركوع دون الصف من الصحابة ومن بعدهم أنما أمر به لإدراك الركعة، ولو لم تكن الركعة تدرك به لم يكن فيه فائدة بالكلية، ولذلك لم يقل منهم أحد: أن من ادركه ساجداً فأنه يسجد حيث أدركته السجدة، ثم يمشي بعد قيام الإمام حتى يدخل الصف، ولو كان الركوع دون الصف للمسارعة إلى متابعة الإمام فيما لا يعتد به من الصلاة، لم يكن فرق بين الركوع والسجود في ذلك۔

وهذا أمر يفهمه كل أحد من هذه الأحاديث والآثار الواردة في الركوع خلف الصف، فقول القائل: لم يصرحوا بالاعتداد بتلك الركعة هو من التعنت والتشكيك في الواضحات، ومثل هذا إنما يحمل عليه الشذوذ عن جماعة العلماء، والأنفراد عنهم بالمقالات المنكرة عندهم۔

فقد أنكر ابن مسعود على من خالف في ذلك، واتفق الصحابة على موافقته، ولم يخالف منهم أحدٌ، إلا ما روي عن أبي هريرة، وقد روي عنه من وجه أصح منه أنه يعتد بتلك الركعة۔

واما الثاني، فإنما نهى النبي - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أبا بكرة عن الإسراع إلى الصلاة، كما قال: ((لا تأتوها وأنتم تسعون))، كذلك قاله الشافعي وغيره من الأئمة، وسيأتي الكلام على ذلك فيما بعد - إن شاء الله تعالى.

وكان الحامل للبخاري على ما فعله شدة إنكاره على فقهاء الكوفيين أن سورة الفاتحة تصح الصلاة بدونها في حق كل أحدٍ، فبالغ في الرد عليهم ومخالفتهم، حتى التزم ما التزمه مما شذ فيه عن العلماء، واتبع فيه شيخه ابن المديني، ولم يكن ابن المديني من فقهاء أهل الحديث، وأنما كان بارعا في العلل والأسانيد۔

وقد روي عن النبي، أن ((من أدرك الركوع فقد أدرك الركعة))، من حديث أبي هريرة، وله طرق متعددة عنه. ومن حديث معاذ وعبد الرحمن بن الأزهر وغيرهم. وقد ذكرناها مستوفاة في ((كتاب شرح الترمذي))''۔

(فتح الباری لابن رجب: ج ٧: ص ١١٤-١١٦)،

(٢) محدث بدرالدین العینیؒ (م ٨٥٥ھ) نے کہا:

''وعند أصحابنا، وهو قول الجمهور: أنه يكون مدركا لتلك الركعة لحديث أبي بكرة حيث ركع دون الصف، فقال له النبي، صلى الله عليه وسلم: (زادك الله حرصا ولا تعد). ولم يأمره بإعادة تلك الركعة''۔

علماء احناف کے نزدیک اور یہی جمہور کا بھی قول ہے کہ وہ شخص اس رکعت کو پانے والا سمجھا جائے گا، جس کی دلیل حضرت ابو بکرہؓ کی حدیث ہے، وہ اس طرح کہ انہوں صف سے پہلے ہی رکوع کرلیا تو نبی اکرم ﷺ نے ان سے ارشادفرمایا اللہ تعالیٰ آپ کی

حرص اور بڑھائے، آئندہ ایسا نہ کیجئے گا، لیکن نبی ﷺ نے انہیں وہ رکعت لوٹانے کا حکم نہیں فرمایا۔ (**عمدۃ القاری: ج ۵: ص ۱۵۳**)،

(۳)　محدث، الحسین بن محمود، مظہر الدین الزیدانیؒ (م ۷۲۷ھ) نے کہا:

''قوله: "انتهى إلى النبي - صلى الله عليه وسلم - وهو راكع"، (انتهى)؛ أي: وصل؛ يعني: نَوَى وكَبَّر قبلَ أن يَصِلَ إلى الصف؛ ليدرَك رسولَ الله - عليه السلام - في الركوع، فإنَّ مَن أدرَك الركوعَ فقد أدرَك تلك الركعةَ''۔

حدیث شریف کے الفاظ انتہیٰ اِلی النبی ﷺ وھو راکع کا مطلب یہ ہے کہ صف تک پہنچنے سے پہلے ہی انہوں نے نیت کی، اور تکبیر کہہ دیا تا کہ رسول اللہ ﷺ کو رکوع میں پالیں، اس لئے کہ جس نے رکوع پالیا اس نے وہ رکعت پالی۔ (**المفاتیح فی شرح المصابیح: ج ۲: ص ۲۳۰**)،

(۴)　یہی بات امام ابن ملک الکرمانیؒ (م ۸۵۴ھ) نے بھی کہی ہے۔ (**شرح المصابیح لابن الملک: ج ۲: ص ۱۱۲**)،

(۵)　امام شرف الدین الطیبیؒ (م ۷۴۳ھ) نے، اسی حدیث ابی بکرہ کے بارے میں کہا:

''**وفيه دليل على أن من أدرك الإمام على حال يجب عليه أن يصنع كما يصنع الإمام، ثم إن أدركه في الركوع كان مدركاً للركعة**''۔

اس میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ مقتدی امام کو جس حالت میں پائے ضروری ہے کہ وہ بھی امام کے ساتھ شامل ہو جائے، پھر اگر اس نے امام کو رکوع میں پایا ہے تو رکعت پانے والا سمجھا جائے گا۔ (**شرح الطیبی علی المشکاۃ: ج ۴: ص ۱۱۴۸**)،

(۶)　حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) نے کہا:

''**وأما حديث أبي بكرة فليس فيه أنه صلى منفردا خلف الصف قبل رفع الإمام رأسه من الركوع فقد أدرك من الاصطفاف المأمور به ما يكون به مدركا للركعة**''۔

رہی حدیث ابی بکرہؓ تو اس میں یہ نہیں ہے کہ انہوں نے امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھی بلکہ صف میں شامل ہونے کا جو مامور بہ عمل ہے، انہوں نے اس کا اتنا حصہ پالیا جتنا حصہ پانے کی وجہ سے وہ رکعت پانے والے سمجھے گئے۔ (**مجموع الفتاوی: ج ۲۳: ص ۳۹۷**)،

یعنی ائمہ محدثین کے نزدیک بھی حدیثِ ابی بکرۃ، رکوع ملنے سے رکعت ملنے پر دلیل ہے، واللہ اعلم۔

اعتراض نمبر ''۱'':

-　اہل حدیث عالم، مولانا محمد یونس قریشی صاحب کہتے ہیں:

باقی رہی یہ بات کہ رکعت ہوئی یا نہیں، تو بخاری شریف کی اس روایت میں قطعا اس کا ذکر بلکہ احتمال تک نہیں اور نہ اس حدیث کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں، اس لیے علامہ شوکانی لکھتے ہیں: کہ اس میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں، کیونکہ اگر رکعت کو لوٹانے کا حکم نہیں دیا تو رکعت کو شمار کرنا بھی منقول نہیں ہے، انتہی۔

اور فیصلہ کن امر یہ ہے کہ دیگر کتب میں اسی حدیث کے اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ابوبکرہ ؓ کے لیے موجود ہے کہ جو نماز پالی وہ پڑھ لے اور جو رہ گئی اسے پورا کرلو۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی رکوع میں ملنے والی رکعت نہیں ہوئی۔(**اتمام الخشوع باحکام مدرک الرکوع: ص ۳۴-۳۵**)،

- اسی طرح ایک اور اہل حدیث عالم، محمد منیر قمر صاحب نے اپنے رسالہ ''رکوع میں ملنے والی رکعت'' میں کہا:

اس سلسلے میں ایک حدیث بڑی فیصلہ کن ہے، جسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور علامہ عبید اللہ رحمانی نے المرعاۃ شرح مشکاۃ میں نقل کیا ہے چنانچہ **طبرانی کبیر** اور **جزالقراۃ** میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ پر مشتمل جو حدیث ہے، اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا: ''**صل ما ادرکت واقض ما سبقک**'' جو نماز مل گئی وہ پڑھ لو اور جو رہ گئی وہ بعد میں پوری کرلو۔

اس روایت کے الفاظ نے فیصلہ کردیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رکوع میں ملنے والی رکعت نہیں ہوئی تھی بلکہ انہوں نے بعد میں پڑھی تھی۔(**رسالہ رکوع میں ملنے والی رکعت: ص ۱۸**)،

- شیخ ارشاد الحق اثری صاحب نے بھی کہا:

لیکن جب اسی حدیث کے آخر میں: ''**صل ما ادرکت واقض ما سبقک**'' کہ جتنا حصہ پالیا وہ پڑھ اور جو رہ گیا وہ پورا کر، کے الفاظ بھی ہیں تو ان سے معلوم ہوتا ہے کہ لامحلہ انہوں نے وہ رکعت دوبارہ پڑھی ہوگی کیونکہ حضور کے حکم کے بعد صحابی کا عمل نہ کرنا انتہائی بعید بات ہے۔(**توضیح الکلام: ص ۸۰۶**)،

الجواب:

ان حضرات نے جو روایت ذکر کی ہے کہ ''جو نماز پالی وہ پڑھ لے اور جو رہ گئی اسے پورا کرلو''، اس روایت کے مکمل الفاظ یوں ہیں: چنانچہ جزء قراءۃ خلف الامام میں ہے کہ

حدثنا محمود قال: حدثنا البخاري قال: حدثنا محمد بن مرداس أبو عبد الله الأنصاري، قال: حدثنا عبد الله

بن عيسى أبو خلف الخزاز، عن يونس، عن الحسن، عن أبي بكرة، رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى صلاة الصبح، فسمع نفسا شديدا أو بهرا من خلفه، فلما قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لأبي بكرة: أنت صاحب هذا النفس؟ قال: نعم، جعلني الله فداك، خشيت أن تفوتني ركعة معك فأسرعت المشي، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: زادك الله حرصا ولا تعد صل ما أدركت واقض ما سبق۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز ادا فرما رہے تھے، تو آپ نے پیچھے سے سانس پھولنے یا ہانپنے کی آواز سنی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ابوبکرہؓ سے دریافت فرمایا کہ آپ کی سانس پھول رہی تھی؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں! میں آپ پر قربان، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ کی اقتداء میں میری ایک رکعت فوت نہ ہو جائے، اس لئے میں تیزی سے چلا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کی حرص میں اضافہ کرے، دوبارہ نہ کریئے، جتنی رکعتیں مل جائیں، انہیں پڑھ لو اور جو چھوٹ جائیں ان کی قضا کر لیں۔ **(جزءقراءۃ خلف الامام: ص ۴۸، حدیث نمبر ۱۲۵)**،

لیجئے! خود حضرت ابوبکرۃؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہہ دیا تھا، کہ مجھے ڈر تھا رکعت کے چھوٹنے کا، اس لئے میں دوڑتے دوڑتے، رکوع میں شامل ہو گیا۔

لہذا قریشی صاحب کا کہنا کہ ''اس روایت میں قطعا اس کا ذکر بلکہ احتمال تک نہیں'' غیر صحیح اور مردود ہے اور ابوبکرۃؓ کی یہ روایت، رکوع کے ملنے سے، رکعت کے ملنے پر قوی دلیل ہے، واللہ اعلم۔

نیز حافظ ابن رجبؒ (م ۷۹۵ھ) کے کلام سے بھی، ان حضرات کے دعوی کا بطلان ظاہر ہے۔ **(دیکھئے ص ۴-۷)**،

اعتراض نمبر ''۲'':

ارشاد الحق اثری صاحب نے بھی کہا:

اس حدیث سے استدلال تبھی صحیح ہے جبکہ یہ ثابت ہو کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے بعد میں رکعت نہیں پڑھی تھی۔ **(توضیح الکلام: ص ۸۰۶)**،

الجواب:

مسند الامام احمد اور جزء القراءۃ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرۃ کے نزدیک، رکوع ملنے سے رکعت مل جاتی ہے، جیسا کہ ان روایات کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے، کما مر۔ **(دیکھئے ص ۲-۷)**

لہذا ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ابوبکرۃ نے بعد میں رکعت نہیں لوٹائی تھی۔

نیز اگر یہ "۲" روایتیں نہ بھی ہوتیں، اور اگر بقول فریقِ مخالف، حضرت ابوبکرةؓ کے نزدیک، اگر رکوع ملنے سے رکعت نہیں ملتی، **تو اس طرح صف میں داخل ہونے سے ہی پہلے رکوع میں جا کر، پھر چل کر صف میں داخل ہونے کی تکلف کی، کیا ضرورت تھی؟؟**

یہی وجہ ہے کہ امام ابوبکر البیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) نے کہا:

"وفي ذلك دليل على إدراك الركعة ولولا ذلك لما تكلفوه"۔

ان آثار میں دلیل ہے کہ ان حضرات کے نزدیک رکوع ملنے سے رکعت مل جائے گی، اس کوشش کی وجہ سے، جو ان حضرات نے کیا ہے۔ (**السنن الکبری للبیہقی: ج ۲: ص ۲۹**)،

لہذا صرف بخاری وغیرہ کی روایت دیگر احادیث مرفوعہ وموقوفہ کی روشنی میں بھی، حضرت ابوبکرةؓ کا یہ تکلف، واضح کرتا ہے کہ ان کے نزدیک رکوع ملنے سے رکعت مل جاتی ہے، پھر اس پر مسند الامام احمد اور جزء القراءۃ کی "۲" صریح روایتیں بھی موجود ہیں، کما مر۔

لہذا حضرت ابوبکرة کی روایت رکوع ملنے سے رکعت ملنے پر صریح دلیل ہے، اس کا انکار کرنا اور انکار پر اصرار کرنا غیر صحیح و باطل ہے، واللہ اعلم۔

اعتراض نمبر "۳":

- بعض الناس نے کہا: "ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ صراحت قطعاً نہیں ہے کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے رکوع میں ملنے کے بعد وہ رکعت شمار کر لی تھی۔ اور اسے دہرایا نہیں تھا۔

ممکن ہے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اسی وقت وہ رکعت پوری کر لی ہو اور اس کے بعد ہی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہو۔ یاد رہے کہ بخاری ہی کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل سے آگاہ کیا گیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تعلیم دی، اور جس روایت میں یہ صراحت ملتی ہے کہ وہ مکمل رکعت پانے کی خاطر دوڑ کر صف میں شامل ہوئے تھے وہ ضعیف ومردود ہے"۔

- اسی طرح، زبیر علی زئی صاحب نے مسند الامام احمد کی روایت کے بارے میں کہا:

اس روایت کی سند بشار بن عبد الملک الخیاط المزنی کی وجہ سے ضعیف ہے، اس سے "سندہ حسن" کہنا غلط ہے، بشار کو ابن معین نے ضعیف کہا اور سند کے اتصال میں بھی نظر ہے۔ (**مجلہ الحدیث: شمارہ نمبر ۳۰: ص ۱۶**)،

الجواب:

ابوبکرہؓ سے مروی "۲" روایتوں میں تصریح ہے کہ وہ رکعت پانے کی خاطر دوڑ کر، صف سے پہلے ہی رکوع میں گئے، پھر چل کر صف میں داخل ہو گئے،

پہلی مسند الامام احمد کی روایت ہے: "**قال الامام احمد حدثنا عبد الصمد، حدثنا بشار الخياط، قال: سمعت عبد العزيز بن أبي بكرة، يحدث أن أبا بكرة، جاء والنبي صلى الله عليه وسلم راكع، فسمع النبي صلى الله عليه وسلم صوت نعل أبي بكرة وهو يحضر، يريد أن يدرك الركعة، فلما انصرف النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من الساعي؟" قال أبو بكرة: أنا، قال: زادك الله حرصا، ولا تعد**"۔(**مسند الامام احمد: ج ۳۴: ص ۸۱-۸۲، حدیث نمبر ۲۰۴۳۵**)،

اس سند پر، بعض الناس اور زبیر علی زئی صاحب کا اعتراض ہے کہ اس میں بشار الخیاط ضعیف ہے اور بشار کو ابن معین نے ضعیف کہا، مگر میں کہتا ہوں کہ ان کو حافظ ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) اور حافظ قاسم بن قطلوبغاؒ (م ۸۷۹ھ) نے اپنی اپنی "الثقات" میں شمار کیا ہے۔(**کتاب الثقات لابن حبان: ج ۶: ص ۱۱۳، کتاب الثقات للقاسم: ج ۳: ص ۲۶**)،

اور بشار بن عبد الملک الخیاط المزنی سے ائمہ کی ایک جماعت مثلاً حافظ عبد الصمد بن عبد الوارث البصریؒ (م ۲۰۹ھ)، حافظ موسی بن اسماعیل البصریؒ (م ۲۲۳ھ)، حافظ ابو عامر، عبد الملک بن عمرو العقدی البصریؒ (م ۲۰۵ھ)، حافظ ابو عاصم النبیل البصریؒ (م ۲۱۲ھ) جیسے ثقات اثبات نے روایت لی ہے۔(**الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم الرازی: ج ۲: ص ۴۱۵، تبصیر المنتبہ لابن حجر: ج ۱: ص ۸۳، المؤتلف والمختلف لعبد الغنی: ص ۹۳، الآحاد والمثانی لابن ابی عاصم: ج ۶: ص ۹۳، نیز دیکھئے المطالب العالیۃ لابن حجر: ج ۶: ص ۱۴۴، حدیث نمبر ۱۰۷۶، نزهة الألباب في قول الترمذي وفي الباب للصنعانی: ج ۳: ص ۱۲۸۶**)،

یہی وجہ ہے کہ صاحب انیس الساری، شیخ ابوحذیفۃ الکویتی حفظہ اللہ نے کہا: "**وبشار مختلف فيه: وثقه ابن حبان، وضعفه ابن معين**"۔(**أنيس الساري في تخريج وتحقيق الأحاديث التي ذكرها الحافظ ابن حجر العسقلاني في فتح الباري: ج ۱: ص ۱۱۷**)،

اور اگر ابن معینؒ (م ۲۳۳ھ) کی تضعیف کو مان لیا جائے، تو تب بھی دیگر ائمہ کی توثیق کی وجہ سے، ان کا ضعف، ضعفِ خفیف ہوگا، خاص طور سے، جب کہ امام ابن معینؒ کی جرح غیر مفسر ہے، لہذا ان کی روایت متابع یا شاہد کی صورت میں مقبول ہوگی۔

نیز سند کے اتصال پر زبیر علی زئی صاحب کے اعتراض کا جواب، ص: ۳ پر موجود ہے۔

لہذا ابشار الخیاطؒ کی روایت متابع یا شاہد کی وجہ سے، مقبول ہوگی۔

دوسری جزء قراءۃ خلف الامام اور المعجم الکبیر للطبرانی کی روایت ہے:

حدثنا محمود قال: حدثنا البخاري قال: حدثنا محمد بن مرداس أبو عبد الله الأنصاري، قال: حدثنا عبد الله بن عيسى أبو خلف الخزاز، عن يونس، عن الحسن، عن أبي بكرة، رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى صلاة الصبح، فسمع نفسا شديدا أو بهرا من خلفه، فلما قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لأبي بكرة: أنت صاحب هذا النفس؟ قال: نعم، جعلني الله فداك، خشيت أن تفوتني ركعة معك فأسرعت المشي، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: زادك الله حرصا ولا تعد صل ما أدركت واقض ما سبق۔ (**جزء قراءۃ خلف الامام: ص ۴۸، حدیث نمبر ۱۲۵**)،

اس سند میں عبداللہ بن عیسی، ابوخلف البصری ضعیف ہے، (**تقریب: رقم ۳۵۲۴**)، مگر وہ متفق علیہ طور پر نہ متروک اور نہ ہی متہم بالکذب، چنانچہ

- حافظ ابوزرعۃ الرازیؒ (م ۲۶۴ھ) نے کہا: ''منكر الحديث''۔
- حافظ زکریا الساجیؒ (م ۳۰۷ھ) نے کہا: ''عنده مناكير''۔ (**تہذیب التہذیب: ج ۵: ص ۳۵۳**)،
- حافظ ابوجعفر العقیلیؒ (م ۳۲۲ھ) نے کہا: ''لا يتابع على أكثر حديثه''۔ (**الضعفاء الکبیر للعقیلی: ج ۲: ص ۲۸۶**)،
- حافظ ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) نے کہا: ''وعبد الله بن عيسى له غير ما ذكرت من الحديث، وهو مضطرب الحديث وأحاديثه إفرادات كلها ونختلف عليه لاختلافه في رواياته ألا ترى أنه قال مرة عن يونس عن الحسن، عن أبي بكرة وقال مرة عن داود بن أبي هند، عن عكرمة، عن ابن عباس في الحديث الذي ذكر فيه جعلني الله فداك وقد أمليت الروايتين جميعا وليس هو ممن يحتج بحديثه''۔ (**الکامل لابن عدی: ج ۵: ص ۴۱۵**)،
- حافظ ابن القطان الفاسیؒ (م ۶۲۸ھ) نے کہا:

''أبو خلف: عبد الله بن عيسى الخزاز، منكر الحديث عندهم، ولا أعلم له موثقا، فهو به ضعيف۔

ومن أجل انفراده به عن يونس، هو غريب، وهو يروي عنه جملة أحاديث تنكر عليه۔

قال أبو زرعة - وسئل عن عبد الله بن عيسى - فقال: منكر الحديث۔

وقال العقيلي: لا يتابع على أكثر حديثه۔

وقال الساجي: عنده مناكير۔

وقال أبو أحمد: يروي عن يونس بن عبيد وداود بن أبي هند، ما لا يوافقه عليه الثقات، وليس هو ممن يحتج بحديثه، فالحديث على هذا ضعيف لا حسن، فاعلم ذلك''۔(بیان الوہم لابن القطان: ج ۳: ص ۴۳۱)،

غور فرمائیں! حافظ ابن القطان الفاسیؒ (م ۶۲۸ھ) نے تصریح کی ہے کہ چونکہ عبد اللہ بن عیسی کی، یونس وغیرہ سے روایات منفرد ہے اور بقول ابن عدی، عقیلی کے، ان کی اکثر روایات میں متابعات نہیں کی گئی، اس وجہ سے، ان کی روایات کو منکر کہا گیا۔

اس پر مزید تصریح، حافظ ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) کی عبارت کرتی ہے کہ ''يروي عن يونس بن عبيد وداود بن أبي هند مما لا يوافقه عليه الثقات''۔(الکامل لابن عدی: ج ۵: ص ۴۱۱)،

غور فرمائیں! یہاں پر، یہ نہیں کہا گیا کہ عبد اللہ بن عیسی نے ثقات کی مخالفت کی ہے، بلکہ یہ کہا گیا کہ ثقات نے عبد اللہ بن عیسی کی موافقت نہیں کی، یعنی عبد اللہ بن عیسی کی روایات اپنے شیوخ سے منفرد ہے، ثقات ان کی متابعات نہیں کرتے۔

لہذا معلوم ہوا کہ یہاں پر منکر کا اطلاق، تفرد کے معنی یا تفرد کی وجہ سے کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ

- حافظ شمس الدین الذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے عبد اللہ بن عیسیؒ کے بارے میں کہا: ''ضعفوه''۔(الکاشف: رقم ۲۹۰۱)، مگر دیوان الضعفاء میں کہا: ''فيه ضعف''۔(دیوان الضعفاء: رقم ۲۲۵۹)، جو کہ ان کے خفیف الضعف پر دال ہے۔
- اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے کہا: ''ضعیف''۔(تقریب: رقم ۳۵۲۴)،

یعنی متاخرین حفاظ نے ان کو منکر الحدیث کہنے کے، بجائے، صرف ''ضعیف'' یا ''ضعفوه'' کہنے پر اکتفاء کیا ہے، جو کہ ان کے ضعف شدید ہونے کی علامت نہیں ہے۔

حکم:

ان تمام اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد اللہ عیسی، ابو خلف الخزاز ضعیف ہے اور ان کا ضعف، ضعف شدید نہیں ہے، جیسا کہ ائمہ کے اقوال کے تحت تفصیل گزر چکی ہے، بلکہ ان کا ضعف، ضعفِ خفیف ہے، جیسا کہ

* حافظ الذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) کی عبارت ''فيه ضعف'' سے ظاہر ہے۔
* شیخ الالبانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) نے ایک راوی، سلمۃ بن وردانؒ (م ۱۵۹ھ) کے بارے میں، ایک اصول ذکر کرتے ہوئے کہا: ''وسلمة بن وردان ضعيف بغير تهمة، فيصلح للاستشهاد به''۔(سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ج ۲: ص ۴۸۲)،

یعنی جب کوئی راوی ضعیف ہو اور متہم بالکذب نہ ہو، تو اس کی روایت کو متابع یا شواہد کے طور پر لیا جا سکتا ہے۔ یہی حال

عبداللہ عیسی ، ابوخلف الخزازؒ کا بھی ہے، کیونکہ ائمہ کے نزدیک، وہ ضعیف ہے، کسی نے بھی ان کو متہم بالکذب یا متروک تک نہیں کہا۔

لہذا ان کی روایت کو متابع میں لیا جاسکتا ہے۔

* اسی طرح امام ابوداودؒ (م ۲۷۵ھ)، امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ)، اور ان حضرات سے پہلے، امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) اور امام احمد بن صالح المصریؒ (م ۲۴۸ھ) کا مسلک ہے کہ جب تک کسی راوی کے ترک پر ائمہ کا اتفاق نہ ہو، جب تک اس راوی کی روایت کو لیا جائے گا۔ (**رسالۃ الی اہل مکۃ: ص ۲۵، رسالة في فضل الأخبار و شرح مذاهب أهل الآثار و حقيقة السنن: ص ۳۷، المقنع لابن الملقن: ج ۱: ص ۶۹، نیز دیکھئے معالم السنن: ج ۴: ص ۳۶۵، النکت للزرکشی: ج ۱: ص ۳۵۵-۳۵۶، الکفایۃ للخطیب: ص ۱۱۰**)،

اس لحاظ سے بھی، عبداللہ عیسی، ابوخلف الخزاز کی روایت کو متابع یا شاہد کی طور پر لیا جاسکتا ہے، کیونکہ ان کے متروک ہونے پر ائمہ کا اتفاق نہیں ہے اور زیر بحث روایت میں عبداللہ عیسی، ابوخلف الخزاز کے روایت کی تائید، مسند الامام احمد میں موجود، بشار الخیاط کی روایت سے ہوتی ہے۔

لہذا یہاں پر ان کی روایت پر تفرد یا ضعف کا الزام کمزور ہوجاتا ہے۔

<u>خلاصہ:</u>

الغرض اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسند الامام احمد میں موجود، بشار الخیاط کی روایت اور جزء القراءۃ کی عبداللہ عیسی، ابوخلف الخزاز کی روایت، دونوں میں ضعف، ضعفِ خفیف ہے، لہذا دونوں ایک دوسرے کی تائید کی وجہ سے، حسن لغیرہ درجہ کی ہونگی۔

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن رجب الحنبلیؒ (م ۷۹۵ھ) نے ان دونوں روایتوں ثابت مانا اور کہا:

''وفي هاتين الروايتين: ما يدل على اعتداده بتلك الركعة، وهذا أمر غير مشكوكٍ فيه، وأنما يحتاج إليه لتعنت من يتعنت''۔

ان دونوں روایتوں میں اس رکعت کے شمار کئے جانے کی دلیل موجود ہے، اور یہ (یعنی اس دلیل کا ان دونوں روایتوں میں پایا جانا) یقینی چیز ہے، اس پر اعتراض (کہ ان روایتوں میں رکعت پائے جانے کی صراحت موجود نہیں ہے) وہی کرتا ہے جو بلا وجہ تشدد کرتا ہے۔ (**فتح الباری لابن رجب: ج ۷: ص ۱۲۴**)،

نیز حافظ ابن رجبؒ (م ۷۹۵ھ) نے اس روایت پر تفصیلاً کلام کیا اور ثابت کیا ہے کہ حضرت ابوبکرۃؓ کی روایت رکوع ملنے پر رکعت مل جانے پر قوی دلیل ہے، جیسا کہ ص: ۵-۶، پر موجود ہے۔

لہذا اس حسن لغیرہ روایت کو [جو کہ خفیف الضعف ہے، اسکو] بعض الناس کا ''ضعیف ومردود کہنا'' خود باطل ومردود ہے، بلکہ اصول حدیث ومسالکِ ائمہ سے بے خبری ولاعلمی کا نتیجہ ہے، واللہ اعلم۔

دلیل نمبر ''۳'':　　[حدیث ابن مغفل ؓ]

امام حرب بن اسماعیل الکرمانیؒ (م ۲۸۰ھ) نے کہا:

حدثنا محمد بن رافع، قال: ثنا حسين بن علي، عن زائدة، قال: حدثنا عبد العزيز بن رفيع، عن ابن مغفل المزني، قال: قال النبي - صلى الله عليه وسلم -: (إذا وجدتم الإمام ساجدا فاسجدوا، أو راكعا فاركعوا، أو قائما فقوموا، ولا تعتدوا بالسجود إذا لم تدركوا الركعة۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم امام کو سجدہ میں پاؤ تو سجدہ میں ہی شریک جماعت ہو جاؤ اور اگر رکوع میں پاؤ تو رکوع میں شامل ہو جاؤ، یا قیام کی حالت میں پاؤ تو تم بھی قیام کرو اور اگر رکوع میں نہ پاؤ تو سجدہ کا اعتبار نہ کرو۔ (**مسائل حرب الکرمانی: ص ۴۴، ت الغامدی**)،

سند کی تحقیق:

(۱)　امام حرب بن اسماعیل الکرمانیؒ (م ۲۸۰ھ) مشہور فقیہ، امام، ثقہ، حافظ ہیں۔ (**تسهيل السابلة لمريد معرفة الحنابلة ويليه فائت التسهيل: ج۱: ص ۲۲۷**)،

(۲)　محمد بن رافع، ابو عبد اللہ النیسابوریؒ (م ۲۴۵ھ) صحیحین وغیرہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۵۸۷۶**)،

(۳)　الحسین بن علی الجعفیؒ (م ۲۰۴ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۱۳۳۵**)،

(۴)　زائدۃ بن قدامۃ الثقفیؒ (م ۱۶۰ھ) بھی کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، ثبت ہیں۔ (**تقریب: رقم ۱۹۸۲**)،

(۵)　عبد العزیز بن رفیع المکیؒ (م ۱۳۰ھ) بھی کتب ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۴۰۹۵**)،

(۶)　عبد اللہ بن مغفل المزنیؓ (م ۵۷ھ) مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ (**سیر: ج ۲: ص ۴۸۴، نیز دیکھئے التاریخ الکبیر للبخاری: ج ۵: ص ۲۳**)،

حکم:

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس سند کے تمام روات ثقہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ شیخ الالبانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) نے کہا: ''**وهذا إسناد صحيح رجاله ثقات رجال الشيخين**''۔ (**سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ج ۳: ص ۱۸۵**)،

اعتراض نمبر "۱":

زبیر علی زئی صاحب نے کہا:

اس روایت میں اگر ابن مغفل سے مراد عبداللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ عنہ ہیں، تو ان سے عبدالعزیز بن رفیع کی ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (**الحدیث شمارہ نمبر ۳۰، ص ۱۷**)،

الجواب:

محدثین کا اصول ہے کہ غیر مدلس راوی کا عنعنہ، سماع پر محمول ہوتا ہے، جب تک کہ اس راوی کا اس شیخ سے، عدم سماع ثابت نہ ہوجائے، چنانچہ حافظ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے کہا:

"ثم بتقدير تيقن اللقاء، يشترط أن لا يكون الراوي عن شيخه مدلسا. فإن لم يكن، حملناه على الاتصال"۔ (الموقظة: ص ۴۵)،

- اسی طرح، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے کہا:

"وعنعنة المعاصر محمولة على السماع؛ بخلاف غير المعاصر؛ فإنها تكون مرسلة"۔ (نزہۃ النظر: ص ۱۲۵)،

- حافظ ابوزکریا النوویؒ (م ۶۷۶ھ) نے کہا:

"الإسناد المعنعن وهو فلان عن فلان، قيل: أنه مرسل، والصحيح الذي عليه العمل وقاله الجماهير من أصحاب الحديث والفقه والأصول، أنه متصل بشرط أن لا يكون المعنعن مدلساً وبشرط إمكان لقاء بعضهم بعضاً"۔ (التقریب للنووی: ص ۳۷)،

- حافظ ابن دقیق العیدؒ (م ۷۰۲ھ) نے کہا:

"ثم الراوي بالعنعنة عن شيخه إذا لقيه أو اكتفينا بمجرد إمكان لقائه على اختلاف المذهبين إما أن يكون مدلسا أو لا فإن لم يكن حملنا الرواية على الاتصال والسماع"۔ (الاقتراح: ص ۱۹)،

- محدث رضی الدین، ابن الحنبلیؒ (م ۹۷۱ھ) نے کہا:

"وعنعنة المعاصر محمولة على السماع مطلقا إلا من مدلس"۔ (قفو الاثر: ص ۱۱۳)، مزید تفصیل کے لئے شیخ حاتم العونی حفظہ اللہ کی کتاب **"إجماع المحدثين على عدم اشتراط العلم بالسماع في الحديث المعنعن بين**

المتعاصرين ''، دیکھی جاسکتی ہے، خلاصہ یہ کہ غیر مدلس راوی کی عنعنہ سماع پر محمول ہوگی۔

اس لحاظ سے عبد العزیز بن رفیعؒ (م ۱۳۰ھ) کا سماع، ابن المغفلؓ (م ۶۱ھ) سے ثابت ہے، کیونکہ

- عبد العزیز بن رفیعؒ کی وفات (۱۳۰ھ) یا (۱۳۱ھ) میں ہوئی اور اس وقت ان کی عمر قریب قریب ''۱۰۰'' سال کی تھی۔ (**مشاہیر علماء الامصار: ص ۱۳۸**)، یعنی، ان کی پیدائش قریب قریب (۳۱ھ) میں ہوئی ہے۔

جب کہ عبد اللہ بن المغفل المزنیؓ کی وفات، (۵۹ھ) یا (۶۰ھ) یا (۶۱ھ) میں ہوئی ہے۔ (**التاریخ الکبیر: ج ۵: ص ۲۳**)، یعنی اگر (۶۱ھ) کے قول کو بھی لیا جائے، تو عبد اللہ بن المغفل المزنیؓ کی وفات کے وقت، عبد العزیز بن رفیعؒ کی عمر ''۳۰'' سال تھی، جو کہ امکان لقاء پر دال ہے۔

- نیز امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) نے کہا: ''ورأى عائشة رضي الله عنها'' کہ عبد العزیزؒ نے حضرت عائشہؓ کو دیکھا ہے۔ (**التاریخ الکبیر: ج ۶: ص ۱۱**)، یعنی جب عبد العزیز بن رفیعؒ (م ۱۳۰ھ) کا، (۵۷ھ) میں فوت ہونے والی صحابیہ، ام المؤمنین، حضرت عائشہ صدیقہؓ سے لقاء ثابت ہے، تو (۶۱ھ) میں فوت ہونے والے صحابی سے سماع کیوں کر ثابت نہیں ہوسکتا، جب کہ وہ عبد العزیز بن رفیع کے طبقۃ الشیوخ میں بھی آتے ہیں۔

- رہا مرسل خفی کے امکان کا، تو ائمہ جرح وتعدیل یا ائمہ علل میں سے کسی نے عبد العزیز بن رفیعؒ کو کسی صحابیؓ سے ارسال یا مرسل خفی کے فعل سے متصف نہیں کیا، **فیما اعلم**۔

لہذا یہاں پر مرسل خفی کا اعتراض یا امکان ظاہر کرنا مرجوح ہے، یہی وجہ ہے کہ خود اہل حدیث عالم، کفایت اللہ سنابلی نے بھی اس روایت کے بارے میں کہا: ''یہاں سند میں کوئی انقطاع بھی نہیں ہے''۔ (**یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیق جائزہ: ص ۲۲۷**)، الغرض زبیر علی زئی صاحب کا یہ کہنا کہ ''ابن المغفل المزنیؓ سے عبد العزیز بن رفیع کی ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں ہے'' باطل ومردود ہے۔

اعتراض نمبر ''۲'':

کفایت اللہ سنابلی صاحب نے کہا:

اس حدیث کے سارے رجال ثقہ ہیں اور یہاں سند میں کوئی انقطاع بھی نہیں ہے، اس کے باوجود بھی یہ حدیث ضعیف و مردود ہی ہے، کیونکہ زائدہ بن قدامہ کے علاوہ، ایک پوری جماعت سفیان الثوری، شعبۃ بن الحجاج، جریر بن عبد الحمید، ابوبکر بن عیاش، وزہیر اور شریک نے اس روایت کو عبد العزیز کے شیخ کے ابہام کے ساتھ بیان کیا ہے، لہذا ابہام والی سند ہی راجح ہے۔

ایک اور طریق میں، اس مبہم شخص کو دوسرا نام ذکر تھا، تو امام دارقطنیؒ نے اسے رد کر دیا اور اس کے برخلاف، ایک جماعت کی، اس روایت کو ترجیح دی، جس میں عبد العزیز کے شیخ کا نام مبہم تھا، چنانچہ امام دارقطنیؒ (م ٣٨٥ھ) نے کہا:

يرويه عبد العزيز بن رفيع، واختلف عنه؛

فرواه عبد الرحمن بن عمرو بن جبلة، عن يزيد بن زريع، عن شعبة، عن عبد العزيز بن رفيع، عن ابن أبي ليلى، عن معاذ، وخالفه الثوري، وزهير، وجرير، وشريك، فرووه عن عبد العزيز بن رفيع، قال: حدثني شيخ من الأنصار مرسلا، عن النبي صلى الله عليه وسلم، وهو الصحيح۔

تنبیہ:

محترم زبیر علی زئی نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، لیکن وجہ ضعف کے طور پر، بڑی عجیب وغریب بات ذکر کی ہے۔ (**یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ٢٢٦-٢٢٧**)،

الجواب:

اولاً	زبیر علی زئی صاحب کے اعتراض کا رد کرتے ہوئے، خود کفایت اللہ صاحب نے کہہ دیا کہ اس سند میں کوئی انقطاع نہیں ہے یعنی سند متصل ہے اور زبیر صاحب کے وجہ ضعف کو ''عجیب وغریب'' بھی قرار دیا ہے، لہذا زبیر صاحب کا اعتراض باطل ومردود ہے۔

دوم	جہاں تک کفایت اللہ سنابلی صاحب کی بات ہے، تو موصوف نے امام دارقطنیؒ کا جو حوالہ ذکر کیا ہے، تو اس میں امام صاحبؒ نے متروک راوی عبد الرحمٰن بن عمرو بن جبلۃ کی روایت کے مقابلے میں جماعت کی روایت کو صحیح کہا ہے، کیونکہ ایک تو عبد الرحمٰن بن عمرو بن جبلۃ متروک ہے، (**لسان المیزان: ج ٥: ص ١١٦**)،

دوسری اور اہم بات یہ کہ اس نے عبد العزیز بن رفیع کے بعد ''٢'' راوی یعنی ''**عن عبد العزيز بن رفيع، عن ابن أبي ليلى، عن معاذ**'' کا ذکر کیا ہے، جب کہ جماعت نے عبد العزیز بن رفیع کے بعد ''١'' ہی راوی، یعنی ''**عن عبد العزيز بن رفيع، قال: حدثني شيخ من الأنصار مرسلا**'' کا ذکر کیا ہے۔

تو مبہم شیخ کا نام ذکر کرنے کی وجہ سے، عبد الرحمٰن بن عمرو بن جبلۃ کی روایت کو مرجوح نہیں کہا گیا، بلکہ عبد العزیز بن رفیع کے بعد ''١'' کے بجائے ''٢'' راوی یعنی ''**عن عبد العزيز بن رفيع، عن ابن أبي ليلى، عن معاذ**'' کا ذکر کرنے کی وجہ سے، ان کی روایت کو مرجوح کہا گیا، مگر کفایت اللہ صاحب نے یہاں پر، الفاظ سے کھیلتے ہوئے دھوکہ دیا اور کہا: کہ ایک اور طریق میں، اس مبہم

شخص کو دوسرا نام ذکر تھا، تو امام دارقطنیؒ نے اسے رد کر دیا۔ (**یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیق جائزہ: ص ۲۲۷**)،

لہذا علت، مبہم شیخ کا نام ذکر کرنا نہیں، بلکہ جماعت کی روایت سے ہٹ کر روایت کو بیان کرنا تھا، کما مر۔

سوم امام ابوالحسن الدارقطنیؒ (م **۳۸۵ھ**) کے کلام میں زائدۃ بن قدامۃ الثقفیؒ (م **۱۶۰ھ**) کی روایت کا کوئی ذکر نہیں ہے، لہذا امام صاحب کے کلام سے، زائدۃ بن قدامۃ الثقفیؒ (م **۱۶۰ھ**) کی روایت کو مرجوح ثابت کرنا باطل و مردود ہے۔

چہارم زائدۃ بن قدامۃ الثقفیؒ (م **۱۶۰ھ**) کی روایت، دراصل علوم الحدیث کی نوع ''المبہمات'' کے قبیل سے ہے، چنانچہ حافظ شمس الدین سخاویؒ (م **۹۰۲ھ**) نے کہا:

''المبهمات (ش) أي واعرف من الأسماء من قد أبهم في الحديث إسنادا، أو متنا من الرجال، والنساء، والتوصل لمعرفته بجمع طرق الحديث غالبا، وهو فن جليل ألف فيه غير واحد من الحفاظ''۔

حدیث کی سند و متن میں مبہم طور پر ذکر کئے گئے خواتین وحضرات کے ناموں کو جان لو، اور عامۃ کسی حدیث کی تمام سندوں کو جمع کرنے سے اس مبہم نام کی تفصیل معلوم ہوتی ہے، یہ ایک اہم فن ہے، جس میں کئی بڑے بڑے محدثین نے کتابیں تصنیف کی ہیں۔ (**الغایۃ فی شرح الہدایۃ للسخاوی: ص ۲۵۷**)،

یعنی یہ فن بہت مبارک اور جلیل القدر ہے، نیز مبہم رواۃ کی تعین کے سلسلے میں ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ مبہم راوی کا تعین، اگر کسی حدیث کے ایک طریق سے ہو جائے، اگرچہ اس حدیث کے دیگر تمام طرق اس راوی کے مبہم ہونے پر متفق ہوں، تب بھی اس ایک طریق کی وجہ سے، راوی کی تعین کی جائے گی، جیسا کہ سخاوی کی عبارت سے اشارہ ملتا ہے، کما مر، چنانچہ

- حافظ محی الدین النوویؒ (م **۶۷۶ھ**) نے کہا:

''ويعرف بوروده مسمى في بعض الروايات''۔

اور مبہم نام کی تفصیل اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ کسی دوسری روایت میں نام کی صراحت ہوتی ہے۔ (**التقریب للنووی: ص ۱۱۵**)،

- حافظ ابن کثیر الدمشقیؒ (م **۷۷۴ھ**) نے کہا:

''وأهم ما فيه ما رفع إبهاماً في إسناد كما إذا ورد في سند: عن فلان ابن فلان، أو عن أبيه، أو عمه، أو أمه: فوردت تسمية هذا المبهم من طريق أخرى، فإذا هو ثقة أو ضعيف، أو ممن ينظر في أمره، فهذا أنفع ما في هذا''۔

اور اہم چیز اس میں وہ ہے جو کسی سند کے ابہام کو دور کرے، جیسے کسی سند میں فلان بن فلان یا عن أبیہ یا عن عمہ یا عن أمہ ہے

اور دوسری سند میں اس مبہم کے نام کی تصریح مل جاتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ثقہ ہے یا ضعیف یا قابل غور راوی ہے، پس یہ چیز اس باب میں سب سے مفید چیز ہے۔(**الباعث الحثیث: ص ۲۳۷**)،

- حافظ ابن الملقنؒ (م ۸۰۴ھ) نے کہا:

''**ويعرف بوروده مسمى في بعض الروايات وكثير منهم لم يوقف على أسمائهم**''۔

اور مبہم کی معرفت اس طرح ہوتی ہے کہ دوسری کسی روایت میں اس ابہام کی وضاحت ہوتی ہے، جبکہ بہت سی مرتبہ ان ناموں تعیین نہیں ہو پاتی ہے۔(**المقنع لابن الملقن: ج ۲: ص ۶۳۳**)،

- حافظ زین الدین العراقیؒ (م ۸۰۶ھ) نے کہا:

''**ويستدل على معرفة الشخص المبهم بوروده مسمى في بعض طرق الحديث, وهو واضح, أو بتنصيص أهل السير على كثير منهم, وربما استدلوا بورود حديث آخر أسند فيه لمعين ما أسند لذلك الراوي المبهم في ذلك الحديث**''۔

اور مبہم شخص کی معرفت اس طرح ہوتی ہے کہ اس حدیث کی دوسری کسی سند میں نام کی صراحت ہوتی ہے، یہ تو واضح ہے، اور بہت سوں کی تعیین سیرت بیان کرنے والے کر دیتے ہیں، جبکہ بعض مرتبہ اس طرح تعیین کی جاتی ہے کہ اس حدیث میں اس مبہم کی طرف کی طرف جو چیز منسوب کی گئی ہے کسی دوسری حدیث میں وہ چیز کسی متعین شخص کی طرف منسوب کی گئی ہوتی ہے۔(**شرح الفیۃ للعراقی: ج ۲: ص ۲۸۸**)،

- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے کہا:

''**المبهم أو لا يسمى الراوي, اختصارا من الراوي عنه كقوله: أخبرني فلان, أو شيخ, أو رجل, أو بعضهم, أو ابن فلان, ويستدل على معرفة اسم المبهم بوروده من طريق أخرى مسمى**''۔

مبہم یا راوی اختصار کی وجہ سے اس شخص کا نام ذکر نہ کرے جس سے وہ روایت کر رہا ہے، جیسے یہ کہے مجھے فلاں نے یا ایک شیخ نے یا ایک آدمی نے، یا بعض لوگوں نے، یا فلاں کے بیٹے نے خبر دی، اور اس مبہم کے نام کی معرفت اس طرح ہوتی ہے کہ دوسری سند میں اس کے نام کی صراحت ہوتی ہے۔(**نزہۃ النظر: ص ۱۲۵**)،

- حافظ سخاویؒ (م ۹۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ

''**ويعرف تعيين المبهم برواية أخرى مصرحة به أو بالتنصيص من أهل السير ونحوهم إن اتفقت الطرق**

علی الإبھام''۔

اور مبہم کی تعیین دوسری روایت میں صراحت آنے سے ہوتی ہے اور اگر کسی بھی سند میں صراحت نہیں ہوتی ہے تو تاریخ وغیرہ بیان کرنے والوں کی تعیین سے اس ابہام کو دور کیا جاتا ہے۔(**فتح المغیث : ج ۴: ص ۲۹۹**)،

- اسی طرح، حافظ ابوبکر السیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے کہا:

''(ویعرف) المبھم (بورودہ مسمی في بعض الروایات)، وذلك واضح، وبتنصیص أھل السیر علی کثیر منھم، وربما استدلوا بورود حدیث آخر أسند لذلك فیه لمعین ما أسند لذلك الراوي المبھم في ذلك''۔

اور مبہم شخص کی معرفت اس طرح ہوتی ہے کہ اس حدیث کی دوسری کسی سند میں نام کی صراحت ہوتی ہے، یہ تو واضح ہے، اور بہت سوں کی تعیین سیرت بیان کرنے والے کر دیتے ہیں، جبکہ بعض مرتبہ اس طرح تعیین کی جاتی ہے کہ اس حدیث میں اس مبہم کی طرف کی طرف جو چیز منسوب کی گئی ہے کسی دوسری حدیث میں وہ چیز کسی متعین شخص کی طرف منسوب کی گئی ہوتی ہے۔(**تدریب الراوی: ج ۲: ص ۸۵۴**)،

غور فرمائیں! تمام ائمہ نے ''بعض'' یا دوسرے طرق میں تعین آنے کی بات کہی ہے، جو دال ہے کہ ایک طریق کے علاوہ، دیگر یا اکثر طرق میں راوی کا مبہم ہونا ظاہر ہے، مگر کسی امام نے اس کو مخالفتِ ثقات سے تعبیر نہیں کیا، کیونکہ یہاں مخالفت والی بات ہی نہیں ہے، بلکہ مبہم راوی کا تعین ہوا ہے، جس کی وجہ سے اس اسناد کا ضعف رفع ہو گیا اور یہ تمام طرق کی معرفۃ کے فوائد میں ہے، واللہ اعلم

الغرض زائدۃ بن قدامۃ الثقفیؒ (م ۱۶۰ھ) کی سند میں ''ابن المغفل المزنی'' کی صراحت پر کفایت اللہ صاحب کا اعتراض نہایت ہی کمزور اور باطل و مردود ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان سے پہلے شیخ الالبانی اور زبیر علی زئی صاحب، جیسے علماء نے بھی اس طرح کا بیکار اعتراض کرنے سے گریز کیا ہے، نیز امام ابوالحسن الدارقطنیؒ (م ۳۸۵ھ) کے کلام میں بھی، زائدۃ کی روایت کا ذکر نہیں ہے۔

لہذا ان کے حوالے سے، کفایت صاحب کا اس روایت پر اعتراض فضول ہے، واللہ اعلم۔

نوٹ:

زائدۃ بن قدامۃ الثقفیؒ (م ۱۶۰ھ) بذاتِ خود ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک، ثقہ ہی نہیں، بلکہ ثقہ، حافظ، ثبت، حجت، صاحب سنۃ، ثقہ مامون، ضبط و اتقان میں بے مثال تھے، اور سفیان الثوریؒ (م ۱۶۱ھ)، شعبۃ بن الحجاجؒ (م ۱۶۱ھ) جیسے حفاظ و اثبات کے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں، نیز سماع حدیث کے سلسلے میں نہایت ہی احتیاط اور اتقان کے اعلی مرتبے پر فائز تھے، تفصیل کے لئے

دیکھئے تہذیب التہذیب: ج ۳: ص ۳۰۶، الکاشف: رقم ۱۶۰۸، تقریب: رقم ۱۹۸۲، تذکرۃ الحفاظ: ج ۱: ص ۱۵۹، الثقات للعجلی: رقم ۴۰۱، کتاب الثقات لابن حبان: ج ۶: ص ۳۴۰)،

لہذا زائدۃ بن قدامۃ الثقفیؒ (م ۱۶۰ھ) جیسے ثقہ، حافظ، ثبت، حجت، صاحب سنۃ، ثقہ ماموں، من نظراء شعبۃ في الإتقان، ضبط واتقان میں بے مثال امام کی روایت سے مبہم راوی کی تعین کیوں کر مرجوح ہو سکتی ہے، واللہ اعلم۔

دلیل نمبر "۴": [انصار کے ایک شیخؓ کی روایت]

حافظ مسدد بن مسرہد البصریؒ (م ۲۲۸ھ) نے کہا:

حدثنا يحيى، عن سفيان، حدثني عبد العزيز بن رفيع، عن شيخ من الأنصار، قال: إن رجلا دخل المسجد، فسمع رسول الله - صلى الله عليه وسلم - خفق نعليه، فلما سلم قال: كيف أدركتنا؟ قال: سجودا فسجدت، قال: كذلك فافعل، ولا تعتدوا بالسجدة: ما لم تدركوا الركعة، فإذا رأيتم الإمام قائما: فقوموا، وراكعا: فاركعوا، وساجدا فاسجدوا، وجالسا: فاجلسوا۔

عبدالعزیز بن رفیع ایک انصاری شیخ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب (نماز کے دوران) مسجد میں داخل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ تک ان کی چپلوں کی آواز پہنچی، سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ آپ نے ہمیں نماز کے کس رکن میں پایا؟ انہوں نے کہا سجدے میں، تو میں بھی سجدے میں چلا گیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اسی طرح کیا کرو، اور اس سجدے کا اعتبار نہ کرو جب تک کہ رکوع نہ پاؤ، جب تم امام کو حالت قیام میں پاؤ تو تم بھی قیام کرو، اور رکوع میں پاؤ تو رکوع کرو، اور سجدے میں پاؤ تو سجدے میں شامل ہو جاؤ اور قعدے میں پاؤ تو تم بھی اس میں شامل ہو جاؤ۔ (**مسند مسدد** بحوالہ المطالب العالیہ لابن حجر: ج ۴: ص ۸۴)،

سند کی تحقیق:

(۱) حافظ مسدد بن مسرہد البصریؒ (م ۲۲۸ھ) صحیح بخاری وسنن ثلاثۃ ماخلا ابن ماجہ کے راوی اور ثقہ، حافظ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۶۵۹۸**)،

(۲) امام یحیی بن سعید القطانؒ (م ۱۹۸ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، حافظ، متقن، امام ہیں۔ (**تقریب: رقم ۷۵۵۷**)،

(۳) امام سفیان بن سعید الثوریؒ (م ۱۶۱ھ) بھی کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، حافظ، حجت، امام ہیں۔ (**تقریب: رقم ۲۴۴۵**)،

نوٹ:

امام سفیان ثوریؒ (م ۱۶۱ھ) نے سماع کی تصریح کردی ہے، لہذا یہاں، ان پر تدلیس کا اعتراض فضول ہے۔

(۴) عبدالعزیز بن رفیعؒ (م ۱۳۰ھ) کا ترجمہ گزر چکا۔

(۵) ماقبل روایت سے ظاہر ہوگیا، کہ انصاری شیخ سے مراد، حضرت عبداللہ بن المغفل المزنیؓ (م ۵۷ھ) ہیں۔

حکم:

اس روایت کے تمام روات ثقہ ہیں اور انصاری شیخ سے مراد صحابی رسول ﷺ ہی ہیں، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ (**المطالب العالیہ لابن حجر: ج ۴: ص ۸۴**)،

نوٹ:

اس روایت کے الفاظ: ''**ولا تعتدوا بالسجدة: ما لم تدركوا الركعة**'' میں ''**الركعة**'' سے مراد ''الرکوع'' ہے، جیسا کہ امام شعبۃ بن الحجاجؒ (م ۱۶۰ھ) کی روایت میں مذکور ہے، چنانچہ ثبت، حافظ، امام ابوبکر البیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) نے کہا:

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، أخبرني محمد بن أحمد بن بالويه، ثنا محمد بن غالب، حدثني عمرو بن مرزوق، أنبأ شعبة، عن عبد العزيز بن رفيع، عن رجل، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "إذا جئتم والإمام راكع فاركعوا، وإن كان ساجدا فاسجدوا، <u>ولا تعتدوا بالسجود إذا لم يكن معه الركوع</u>. (السنن الكبرى للبیهقی: ج ۲: ص ۱۲۸، حدیث نمبر ۲۵۷۶)،

سند کی تحقیق:

(۱) امام ابوبکر البیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) مشہور ثبت، حافظ ہیں۔ (**سیر: ج ۱۸: ص ۱۶۳**)،

(۲) امام ابوعبداللہ الحاکمؒ (م ۴۰۵ھ) بھی مشہور ثقہ، ثبت، حافظ، شیخ المحدثین ہیں۔ (**السلسبیل النقی فی تراجم البیهقی: ص ۵۹۲**)،

(۳) محمد بن احمد بن بالویہ، الجلاب النیسابوریؒ (م ۳۴۰ھ) ثقہ، مکثر ہیں۔ (**الروض الباسم فی تراجم شیوخ الحاکم: ج ۲: ص ۸۱۶**)،

(۴) محمد بن غالب البصری تمتامؒ (م ۲۸۳ھ) بھی ثقہ، مکثر، حافظ ہیں۔ (**تاریخ الاسلام: ج ۶: ص ۸۱۹**)،

(۵) عمرو بن مرزوق الباہلیؒ (م ۲۲۴ھ) صحیح بخاری و سنن ابی داود کے راوی اور ثقہ، فاضل ہیں۔ (**تحریر تقریب التہذیب: رقم**

۵۱۱۰)،اور حافظ ابو حاتم الرازیؒ (م ۲۷۷ھ) نے کہا: ''كان ثقة من العباد، و لم نجد أحدا من أصحاب شعبة كتبنا عنه كان أحسن حديثا منه''۔(تہذیب التہذیب: ج ۸: ص ۱۰۰)،

اور یہ روایت بھی امام شعبہؒ (م ۱۶۱ھ) سے ہی مروی ہے۔

(۶)　امام شعبۃ بن الحجاجؒ (م ۱۶۰ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، متقن، حافظ، امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔(تقریب: رقم ۲۷۹۰)،

(۷)　عبدالعزیز بن رفیعؒ (م ۱۳۰ھ) کا ترجمہ گزر چکا۔

(۸)　''عن رجل'' سے مراد، حضرت عبداللہ بن المغفل المزنیؓ (م ۶۱ھ) ہیں، جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

حکم:

یعنی اس کے بھی تمام روات ثقہ اور سند صحیح ہے۔واللہ اعلم

لہذا ابن مغفلؓ کی روایت کے الفاظ: ''و لا تعتدوا بالسجدة: ما لم تدركوا الركعة'' میں بھی ''الركعة'' سے مراد ''الرکوع'' ہے۔

دلیل نمبر ''۵'':　[عبدالرحمٰن بن الازہرؓ کی روایت]

حافظ ابونعیم الاصبہانیؒ (م ۴۳۰ھ) نے کہا:

حدثنا عبد الله بن جعفر، ثنا إسماعيل بن عبد الله، ثنا سعيد بن الحكم بن أبي مريم، ثنا نافع بن يزيد، حدثني جعفر بن ربيعة، عن عبيد الله بن عبد الرحمن بن السائب، عن عبد الحميد بن عبد الرحمن بن الأزهر، حدثه عن أبيه، أن رسول الله صلى الله عليه و سلم، قال: انما مثل العبد المؤمن حين يصيبه الوعك أو الحمى كمثل حديدة تدخل النار، فيذهب خبثها، و يبقى لهيبها و قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: إذا جئتم الصلاة و نحن سجود فاسجدوا، و لا تعدوها شيئا، و من أدرك الركعة فقد أدرك الصلاة۔

حضرت عبدالرحمن بن ازہرؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مومن بندے کی مثال جب اسے بخار ہوتا ہے، ایسی ہے جیسے آگ میں ڈالا ہوا لوہا جس سے اس کی خرابی دور ہو جاتی ہے، اور عمدہ لوہا باقی رہتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اور جب تم اس وقت نماز کے لئے پہنچو کہ ہم سجدے میں ہیں تو تم بھی سجدے میں شامل ہو جاؤ، البتہ اس سجدے کا اعتبار نہ کرو، اور جس

نے رکعت پالی اس نے نماز پالی۔ (معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم: ج ۴: ص ۱۸۱۸)،

سند کی تحقیق:

(۱) حافظ ابونعیم الاصبہانیؒ (م ۴۳۰ھ) مشہور ثقہ، حافظ ہیں۔ (کتاب الثقات للقاسم: ج ۱: ص ۳۶۵)،

(۲) عبداللہ بن جعفر بن احمد بن فارس الاصبہانیؒ (م ۳۴۶ھ) بھی ثقہ، محدث، صالح ہیں۔ (بلوغ الامانی بتراجم شیوخ ابی الشیخ الاصبہانی: ج ۱: ص ۵۸۰)،

(۳) اسماعیل بن عبداللہ بن مسعود، ابوبشر الاصبہانی العبدیؒ (م ۲۶۷ھ) بھی ثقہ، حافظ ہیں۔ (تاریخ الاسلام: ج ۶: ص ۲۹۷)،

(۴) سعید بن الحکم بن ابی مریمؒ (م ۲۲۴ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، ثبت، فقیہ ہیں۔ (تقریب: رقم ۲۲۸۶)،

(۵) نافع بن یزید المصریؒ (م ۱۶۸ھ) صحیح مسلم و سنن ثلاثۃ ماخلا الترمذی کے راوی اور ثقہ، عابد ہیں۔ (تقریب: رقم ۷۰۸۴)

(۶) جعفر بن ربیعۃ المصریؒ (م ۱۳۶ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (تقریب: رقم ۹۳۸)،

(۷) عبیداللہ بن عبداللہ بن السائب بن عمیرؒ ثقہ ہیں۔

ان سے ائمہ کی ایک جماعت مثلاً جعفر بن ربیعۃ المصریؒ (م ۱۳۶ھ)، حافظ ابن جریجؒ (م ۱۵۰ھ)، نافع بن یزید المصریؒ (م ۱۶۸ھ)، امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) وغیرہ نے روایت لی ہے۔ (اکمال تہذیب الکمال: ج ۹: ص ۴۴)،

اور ائمہ نے آپ کی توثیق فرمائی ہے، چنانچہ

- حافظ ابوحاتم الرازیؒ (م ۲۷۷ھ) نے کہا: ''شیخ، و حدیثہ مستقیم''۔ (تہذیب التہذیب: ج ۸: ۶۲۲، طبع جمعیۃ دار البر)،

- حافظ ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے آپ کو 'الثقات' میں شمار کیا ہے۔ (کتاب الثقات لابن حبان: ج ۷: ص ۱۴۸)،

- حافظ ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) نے کہا: ''ھو ثقۃ''۔

- حافظ ابن خلفونؒ (م ۶۳۶ھ) نے بھی آپ کو 'الثقات' میں شمار کیا ہے۔ (اکمال تہذیب الکمال: ج ۹: ص ۴۴)،

- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے کہا: ''صدوق''۔ (تقریب: رقم ۴۳۱۵)،

لہذا عبیداللہ بن عبدالرحمٰن بن السائب بن عمیرؒ ثقہ ہیں اور ان کو مجہول کہنا مردود ہے۔ واللہ اعلم

(۸) عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن ازہرؒ صدوق، حسن الحدیث ہیں، ان سے جعفر بن ربیعۃ المصریؒ (م ۱۳۶ھ)، عبیداللہ بن عبد

الرحمٰن بن السائب بن عمیرؒ سمیت اہل مدینۃ کی ایک جماعت نے روایت لی ہے۔(**الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم الرازی: ج۶:ص۱۵، کتاب الثقات لابن حبان: ج۵:ص۱۲۷**)،

اور ائمہ وعلماء نے آپ کی بھی توثیق فرمائی ہیں، چنانچہ

- امام ابوبکر البزارؒ (م ۲۹۲ھ) نے آپؒ کی روایت کے بارے میں کہا: ''**ولا نعلم یروی لعبد الرحمن بن أزھر إسناد أحسن اتصالا من ھذا الإسناد**''۔(**مسند البزار: ج۸:ص۳۷۹**)،
- حافظ ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے آپ کو ''الثقات'' میں شمار کیا ہے۔(**کتاب الثقات لابن حبان: ج۷:ص۱۴۸**)،
- امام ابوعبداللہ الحاکمؒ (م ۴۰۵ھ) نے عبدالحمیدؒ کی روایت کے بارے میں کہا: ''**ھذا حدیث صحیح الإسناد، ولم یخرجاہ والذي عندي أنھما ترکاہ لتفرد عبد الحمید، عن أبیہ بالروایۃ**''۔
- اور حافظ الذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے بھی کہا: ''**صحیح الإسناد**''۔(**المستدرک للحاکم مع تلخیص الذہبی: ج۱:ص۱۴۵، حدیث نمبر ۲۴۶**)،

* ایک اور جگہ، حافظ الذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے ان کی روایت کے بارے میں کہا: ''**مرسل جید**''۔(**المہذب فی اختصار السنن الکبیر للذہبی: ج۳:ص۱۳۰۵**)،

- نیز ان کی روایت کے بارے میں، حافظ ضیاء الدین، محمد بن عبدالواحد المقدسیؒ (م ۶۴۳ھ) نے کہا: ''**لا أعلم لہ علۃ**''۔
- اور حافظ ابن رجبؒ (م ۷۹۵ھ) نے کہا: ''**وإسنادہ جید**''۔(**فتح الباری لابن رجب: ج۵:ص۱۹**)،
- حافظ قاسم بن قطلوبغاؒ (م ۸۷۹ھ) نے بھی آپ کو ''الثقات'' میں شمار کیا ہے۔(**کتاب الثقات للقاسم: ج۶:ص۲۰۱**)،
- شیخ الالبانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) نے کہا: ''**فمثلہ حسن الحدیث إن شاء اللہ تعالی**''۔(**سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ج۴:ص۲۹۰**)،
- صاحب الجامع الکامل، الدکتور عبداللہ الاعظمیؒ (م ۱۴۴۱ھ) نے بھی کہا: ''**فمثلھم یحسن الحدیثھم اذا لم یخالفوا**''۔(**الجامع الکامل فی الحدیث الصحیح الشامل: ج۴:ص۴۱**)،

خلاصہ یہ کہ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن ازہرؒ صدوق، حسن الحدیث ہیں، اور آپؒ کو مجہول کہنا مرجوح ہے، واللہ اعلم۔

(۹) عبدالرحمٰن بن ازہر القرشیؓ صحابی رسول ﷺ ہیں۔(**تقریب: رقم ۳۷۹۸**)،

حکم:

اس سند کے تمام رواۃ ثقہ یا صدوق ہیں اور یہی وجہ ہے کہ

- حافظ ابن رجبؒ (م ۷۹۵ھ) نے کہا: ''وإسناده جيد''۔
- حافظ ضیاء الدین، محمد بن عبد الواحد المقدسیؒ (م ٦٤٣ھ) نے کہا: ''لا أعلم له علة''۔(**فتح الباری لابن رجب: ج۵:ص١٩**)،

لہذا اس جید و مقبول روایت سے معلوم ہوا کہ رکوع ملنے سے، رکعت بھی مل جائے گی، والحمد للہ۔

دلیل نمبر ''٦'': **[ابو ہریرۃؓ کی روایت]**

مشہور حافظ الحدیث، امام ابوبکر ابن خزیمہؒ (م ٣١١ھ) نے کہا:

أنا عيسى بن إبراهيم الغافقي، ثنا ابن وهب، عن يحيى بن حميد، عن قرة بن عبد الرحمن، عن ابن شهاب قال: أخبرني أبو سلمة بن عبد الرحمن، عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدركها قبل أن يقيم الإمام صلبه۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے نماز میں امام کو بحالتِ رکوع پالیا اس نے رکعت پالی۔(**صحیح ابن خزیمہ: حدیث نمبر ١٥٩٥**)،

سند کی تحقیق:

(١) امام ابوبکر ابن خزیمہؒ (م ٣١١ھ) ثقہ، حافظ، امام الائمہ ہیں۔(**کتاب الثقات للقاسم: ج٨:ص١٧٣**)،

(٢) عیسی بن ابراہیم الغافقیؒ (م ٢٦١ھ) سنن ابی داود و سنن النسائی کے راوی اور ثقہ ہیں۔(**تقریب: رقم ٥٢٨٥**)،

(٣) یحیی بن حمید المصریؒ، حافظ ابن حبانؒ (م ٣٥٤ھ) اور امام ابن خزیمہؒ (م ٣١١ھ) کے نزدیک ثقہ ہیں۔(**صحیح ابن خزیمہ: حدیث نمبر ١٥٩٥، کتاب الثقات لابن حبان: ج٩:ص٢٥١**)،

جب کہ امام بخاریؒ (م ٢٥٦ھ) نے کہا: ''لا يتابع في حديثه'' اور دارقطنیؒ نے ان کو ضعیف کہا ہے۔(**لسان المیزان: ج٨:ص٤٣١**)، مگر یہاں پر ان کا متابع موجود ہے، نیز ابو ہریرۃ کا اپنا فتوی بھی موجود ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

لہذا یہاں پر یحیی بن حمید المصریؒ پر کلام فضول ہوگا۔

(٤) قرۃ بن عبد الرحمٰن المصریؒ (م ١٤٧ھ) صحیح مسلم و سنن اربع کے راوی اور صدوق، حسن الحدیث ہیں، البتہ ان کے کچھ

مناکیر ہیں۔(تقریب:رقم ۵۵۴۱)،اور امام الاوزاعیؒ(م ۱۵۷ھ) نے کہا:''ما أحد أعلم بالزهری من قرة بن عبد الرحمن بن حیویل''۔

یعنی امام الاوزاعیؒ(م ۱۵۷ھ) کے نزدیک،امام زہریؒ(م ۱۲۵ھ) کی روایات میں ان کا خاص مقام ہے،واللہ اعلم۔اور یہ روایت بھی امام زہریؒ(م ۱۲۵ھ) سے ہی مروی ہے۔

(۵)　محمد بن مسلم،ابن شہاب الزہریؒ(م ۱۲۵ھ) کتب ستہ کے راوی اور متفق علیہ طور پر ثقہ،متقن،حافظ،فقیہ ہیں۔(تقریب:رقم ۶۲۹۶،تہذیب التہذیب)،

(۶)　ابو سلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوفؒ(م ۱۰۴ھ) بھی کتب ستہ کے راوی اور ثقہ،مکثر ہیں۔(تقریب:رقم ۸۱۴۲)،

(۷)　ابو ہریرۃ الدوسیؓ(م ۵۹ھ) مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔(تقریب:رقم ۸۴۲۶)،

حکم:

اس روایت کے تمام روات ثقہ یا صدوق ہیں،البتہ یحیی بن حمید المصریؒ پر کلام ہے،وہ بھی متابع کی وجہ سے،یہاں مضر نہیں ہے۔

ایک اعتراض:

البتہ ائمہ نے اعتراض کیا ہے کہ امام زہریؒ(م ۱۲۵ھ) کے ثقہ اصحاب نے یہی روایت ذکر کی ہے،مگر انہوں نے ''قبل أن يقيم الإمام صلبه'' کی زیادتی ذکر نہیں کی۔(نثل النبال بمعجم الرجال:ج ۳:ص ۵۲۶)،

الجواب:

اگرچہ کچھ ائمہ نے اس پر اعتراض کیا ہے،مگر کچھ نے اس زیادتی کو قبول بھی کیا ہے،چنانچہ امام ابن خزیمہؒ(م ۳۱۱ھ) نے اس زیادتی کو صحیح مانا ہے۔(صحیح ابن خزیمہ:حدیث نمبر ۱۵۹۵)،اور حافظ ابن حبانؒ(م ۳۵۴ھ) بھی اس زیادتی کے قائل ہیں۔(صحیح ابن حبان بحوالہ اتحاف المہرۃ لابن حجر:ج ۱۶:ص ۱۰۱)،

اور ہم نے صراحت کر دی ہے کہ یحیی بن حمید المصریؒ کا متابع موجود ہے اور حضرت ابو ہریرۃؓ کا اپنا فتوی بھی یہی ہے اور ان کی تائید میں دیگر مرفوع وموقوف آثار موجود ہیں،جس میں،بعض کی تفصیل گزر چکی اور بعض کی آگے آرہی ہے۔

اس لحاظ سے یہاں ''قبل أن يقيم الإمام صلبه'' کی زیادتی پر اعتراض کمزور ہے،واللہ اعلم۔

نوٹ:

حافظ عقیلیؒ (م ٣٢٢ھ) کی رائے "ولعل هذا من كلام الزهري، فأدخله يحيى بن حميد في الحديث ولم يبينه" [١] کو مان بھی لیا جائے، تو امام زہریؒ (م ١٢٥ھ) کے نزدیک بھی یہ روایت رکوع ملنے سے رکعت ملنے پر واضح دلیل ہے۔ واللہ اعلم

نیز ائمہ نے بھی اس روایت پر جو باب باندھے ہیں، اس سے یہی واضح ہوتا ہے، چنانچہ

- امام ابن خزیمہؒ (م ٣١١ھ) نے باب باندھا: "باب ذكر الوقت الذي فيه المأموم مدركا للركعة إذا ركع إمامه قبل"۔ (صحیح ابن خزیمہ: حدیث نمبر ج ٣: ص ٤٥)، اور اس میں اس روایت کو ذکر کیا۔
- امام ابوبکر البیہقیؒ (م ٤٥٨ھ) نے باب باندھا: "باب إدراك الإمام في الركوع"۔ (السنن الکبری للبیہقی: ج ٢: ص ١٢٧) اور اس باب میں اس روایت کو ذکر کیا۔
- اسی طرح، امام ابوالحسن الدارقطنیؒ (م ٣٨٥ھ) نے باب باندھا: "باب من أدرك الإمام قبل إقامة صلبه فقد أدرك الصلاة"۔ (سنن الدارقطنی: ج ٢: ص ١٥٣)، اور پھر روایت کو ذکر کیا۔

یعنی ائمہ حدیث کی تبویب اور امام زہریؒ (م ١٢٥ھ) کے قول سے واضح ہے کہ یہ روایت رکوع ملنے سے رکعت ملنے پر دلالت کرتی ہے، لہذا اب اس مسئلہ پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے، واللہ اعلم۔

متابع:

امام ابوداود السجستانیؒ (م ٢٧٥ھ) نے کہا:

حدثنا محمد بن يحيى بن فارس، أن سعيد بن الحكم، حدثهم، أخبرنا نافع بن يزيد، حدثني يحيى بن أبي سليمان، عن زيد بن أبي العتاب، وابن المقبري، عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا جئتم إلى الصلاة ونحن سجود فاسجدوا، ولا تعدوها شيئا، ومن أدرك الركعة، فقد أدرك الصلاة۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا: جب تم نماز کیلئے آؤ تو اگر ہم سجدے میں ہوں تو تم بھی سجدے میں چلے جاؤ، البتہ اسے شمار نہ کرو، اور جس نے رکوع پالیا، اس نے رکعت بھی پالی۔ (سنن ابی داود: حدیث نمبر ٨٩٣)،

سند کی تحقیق:

---

(١)　اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حافظ عقیلیؒ (م ٣٢٢ھ) کے نزدیک، قرۃ بن عبدالرحمٰن المصریؒ (م ١٤٧ھ)، اس کلام [یعنی "قبل أن يقيم الإمام صلبه" کی زیادتی] کی علت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(۱)　امام ابوداود السجستانیؒ (م۲۷۵ھ) مشہور ثقہ، حافظ، امام، صاحب السنن ہیں۔ (سیر)،

(۲)　محمد بن یحیی الذہلیؒ (م۲۵۸ھ) صحیح بخاری وسنن اربع کے راوی اور ثقہ، حافظ، جلیل ہیں۔ (تقریب: رقم ۶۳۸۷)،

(۳)　سعید بن الحکم بن ابی مریمؒ (م۲۲۴ھ) اور

(۴)　نافع بن یزید المصریؒ (م۱۶۸ھ) کا تعارف گزر چکا۔ (دیکھئے، ص۲۵)،

نوٹ:

یحیی بن حمید المصریؒ کے متابع میں یہاں ثقہ راوی نافع بن یزید المصریؒ (م۱۶۸ھ) موجود ہیں، لہذا یحیی بن حمید المصریؒ کی روایت پر اعتراض کمزور ہے۔

(۵)　یحیی بن ابی سلیمان المدنیؒ سنن ثلاثۃ ماخلا ابن ماجہ کے راوی اور حافظؒ نے کہا: کہ حدیث میں کچھ کمزور ہے۔ (تقریب: رقم ۷۵۶۵)، مگر

- امام شعبۃ بن الحجاجؒ (م۱۶۱ھ) اور
- حافظ محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی ذئبؒ (م۱۵۷ھ) نے ان سے روایت لی ہے اور یہ حضرات اپنے نزدیک صرف ثقہ سے روایت لیتے تھے۔ (دراسات حدیثیۃ متعلقۃ بمن لا یروی الا عن ثقۃ للشیخ ابی عمرو الوصابی: ص ۳۴۷، ۲۵۴)،
- حافظ ابن حبانؒ (م۳۵۴ھ) نے ان کو ''الثقات'' میں شمار کیا ہے اور اپنی صحیح میں بھی ان کی روایت ذکر کی ہے۔ (عمدۃ القاری: ج۵: ص۴۹)،
- امام ابوعبداللہ الحاکمؒ (م۴۰۵ھ) نے کہا: ''هو من ثقات المصريين''۔

*　ایک اور جگہ، یہی یحیی المدنی کی روایت ''ونحن سجود فاسجدوا، ولا تعدوها شيئا، ومن أدرك الركعة، فقد أدرك الصلاة'' کے بارے میں کہا: ''هذا حديث صحيح قد احتج الشيخان برواته عن آخرهم غير يحيى بن أبي سليمان، وهو شيخ من أهل المدينة سكن مصر، ولم يذكر بجرح''۔

- حافظ ذہبیؒ (م۷۴۸ھ) نے بھی کہا: ''صحيح ويحيى ولم يذكر بجرح''۔ (المستدرک للحاکم مع تلخیص الذہبی: ج۱: ص۴۰۷، حدیث نمبر ۱۰۱۲)،
- امام ابوداود السجستانیؒ (م۲۷۵ھ) اور
- حافظ زکی الدین المنذریؒ (م۶۵۶ھ) نے اس روایت پر سکوت اختیار کیا ہے۔ (اعلاء السنن: ج۳: ص۱۴۱۶)،

- امام ابن مفلح المقدسیؒ (م ۷۶۳ھ) نے کہا: ''ومن جملة الأدلة حديث أبي هريرة عنه عليه الصلاة والسلام إذا جئتم ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوها شيئا ومن أدرك الركعة فقد أدرك الصلاة رواه جماعة منهم أبو داود والدارقطني وإسناده حسن وفيه يحيى بن أبي سليمان المدني روى له النسائي ولم يتكلم فيه مع أنه شرطه في الرجال وكذا أبو داود وذكره ابن حبان في الثقات وقال أبو حاتم يكتب حديثه ليس بالقوي وقال البخاري منكر الحديث''۔ (حاشیۃ المحرر لابن مفلح: ج۱: ص۱۵۹)،
- حافظ ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) نے کہا: ''وهو ممن يُكتبُ حديثه''۔(الکامل: ج۲: ص۲۲۰)،
- اسی طرح، حافظ ابو حاتم الرازیؒ (م ۲۷۷ھ) نے کہا: ''يكتب حديثه''۔(تہذیب التہذیب: ج۱۱: ص۲۲۷)،
- محدث ظفر احمد عثمانیؒ (م ۱۳۹۴ھ) نے کہا: ''وبالجملة فالرجل مختلف فيه''۔

خلاصہ یہ کہ اگر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) کے قول کو مان بھی لیا جائے، تو وہ روایت میں ضعیف ہیں، مگر ان کی روایت کو متابع میں لیا جا سکتا ہے، جیسا کہ دیگر ائمہ کے اقوال کا تقاضا ہے، کما مر، اور ماقبل روایت میں، ان کے متابع میں صدوق راوی ،قرۃ بن عبد الرحمٰن المصریؒ (م ۱۴۷ھ) موجود ہیں۔اور پھر ائمہ کی ایک جماعت نے اس روایت کی تصحیح و تحسین فرمائی ہیں، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

لہٰذا یہاں پر یحیی بن ابی سلیمان المدنیؒ پر اعتراض کمزور ہے۔

(۶) زید بن ابی عتاب الشامی سنن ثلاثہ ماخلا الترمذی کے راوی اور ثقہ ہیں۔(تقریب: رقم ۲۱۴۵)، اوران کے متابع میں ثقہ، امام سعید بن ابی سعید المقبریؒ (م ۱۲۰ھ) موجود ہیں۔(تحریر تقریب التہذیب: رقم ۲۳۲۱)،

(۷) حضرت ابو ہریرۃؓ (م ۵۹ھ) مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔(تقریب)،

حکم:

معلوم ہوا کہ اس سند کے تمام روات ثقہ ہیں، البتہ یحیی بن ابی سلیمان المدنیؒ میں ضعف ہے، مگر وہ متابع کی صورت میں مقبول ہیں، یہی وجہ ہے کہ شواہد کی وجہ سے،

- شیخ الالبانیؒ (م ۱۴۲۰ھ) نے کہا: ''قلت: حديث حسن''۔(صحيح أبي داود - الأم: ج۴: ص۴۶)،
- امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے اس روایت کو اپنے صحیح میں ذکر کیا۔(عمدۃ القاری: ج۵: ص۴۹)،
- امام ابو عبد اللہ الحاکمؒ (م ۴۰۵ھ) نے کہا: ''هذا حديث صحيح قد احتج الشيخان برواته عن آخرهم غير يحيى

بن أبي سليمان، وهو شيخ من أهل المدينة سكن مصر، ولم يذكر بجرح''،

- ان کی تائید میں حافظ ذہبیؒ (م۷۴۸ھ) نے بھی کہا: ''صحيح ويحيى ولم يذكر بجرح''۔ (المستدرک للحاکم مع تلخیص الذہبی: ج۱: ص۴۰۷، حدیث نمبر ۱۰۱۲)،

- امام ابوداود السجستانیؒ (م۲۷۵ھ) اور

- حافظ زکی الدین المنذریؒ (م۶۵۶ھ) نے اس روایت پر سکوت اختیار کیا ہے۔ (اعلاء السنن: ج۴: ص۱۴۱۶)،

- امام ابن مفلح المقدسیؒ (م۷۶۳ھ) نے کہا: ''ومن جملة الأدلة حديث أبي هريرة عنه عليه الصلاة والسلام إذا جئتم ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوها شيئا ومن أدرك الركعة فقد أدرك الصلاة رواه جماعة منهم أبو داود والدارقطني وإسناده حسن وفيه يحيى بن أبي سليمان المدني روى له النسائي ولم يتكلم فيه مع أنه شرطه في الرجال وكذا أبو داود وذكره ابن حبان في الثقات وقال أبو حاتم يكتب حديثه ليس بالقوي وقال البخاري منكر الحديث''۔ (حاشية المحرر لابن مفلح: ج۱: ص۱۵۹)،

- حافظ انور شاہ کشمیریؒ (م۱۳۵۲ھ) بھی اس روایت کی تحسین کے قائل ہیں چنانچہ انہوں نے کہا: ''وقد وقع فيه الحديث المذكور قطعة منه عن أبي هريرة مرفوعا: إذا جئتم إلى الصلاة ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوها شيئا، ومن أدرك الركعة فقد أدرك الصلاة. وأخرجه ابن حبان في صحيحه فعلم أنه صحيح عنده''۔ (العرف الشذی: ج۱: ص۲۰۳-۲۰۴، نیز دیکھئے فیض الباری: ج۲: ص۳۰۸، والفظ لہ)،

- محدث ظفر احمد عثمانیؒ (م۱۳۹۴ھ) نے کہا: ''وبالجملة فالرجل مختلف فيه فلا أقل من أن يكون حديثه حسنا''۔ (اعلاء السنن: ج۴: ص۱۴۱۶)،

لہذا جب متابع ہے، تو اس روایت کو ضعیف کہنا محل نظر ہوگا، نیز حضرت ابوہریرہؓ (م۵۹ھ) کا اپنا فتوی بھی یہی ہے کہ رکوع ملنے سے رکعت مل جائے گی۔

دلیل نمبر ''۷'': **[ابوہریرہؓ کا فتوی]**

چنانچہ امام مالکؒ (م۱۷۹ھ) نے کہا:

أنه بلغه، أن أبا هريرة كان يقول: من أدرك الركعة فقد أدرك السجدة. ومن فاته قراءة أم القرآن، فقد فاته خير

کثیر۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا: جو شخص رکوع پالے، اس نے سجدہ بھی پالیا ہے۔ اور جس کو سورہ فاتحہ کی قراءت نہ ملے۔ وہ بہت بڑی بھلائی سے محروم ہوگیا۔ (موطا امام مالک: حدیث نمبر ۲۳، ت الاعظمی)،

سند کی تحقیق:

اگرچہ، امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) نے یہ روایت معلقاً ذکر کی ہے، مگر محدث العصر، ابو عمرو، یاسر بن محمد فتحی حفظہ اللہ نے کہا:

''وقد اختلفت الرواية في هذا عن ابي هريرة رضي الله عنه وقد روى عبد الرحمن بن اسحاق المديني (المعروف بعباد نزيل البصرة صدوق) عن المقبري عن ابي هريرة و ذكره مالك في المؤطا بلاغا عن ابي هريرة انه كان يقول من ادرك الركعة فقد ادرك السجدة''۔ (فضل الرحیم الودود بتخریج سنن ابی داود: ج۹: ص ۵۳۴)،

اور ان کا استدلال جزء القراۃ کی عبارت ''عن عبد الرحمن بن إسحاق، عن المقبري، عن أبي هريرة، رضي الله عنه معارضا لما روى الأعرج، عن أبي هريرة، '' سے ہے۔ (ص:۹۶)، اور ان کی بات کا قوی احتمال ہے، فجزاہ اللہ خیرا کثیرا۔

نوٹ:

حافظ ابن رجبؒ (م ۷۹۵ھ) کا بھی یہی قول ہے، واللہ اعلم۔ (فتح الباری: ج ۷: ص ۱۱۱-۱۱۲)،

اور عبد الرحمٰن بن اسحاق المدنیؒ (م قبل ۱۵۰ھ) صدوق، حسن الحدیث، بلکہ ائمہ کی ایک جماعت بشمول امام بخاری نے ان کو ثقہ، لیس بہ بأس قرار دیا ہے، چنانچہ

- حافظ یزید بن زریع، ابو معاویہ البصریؒ (م ۱۸۲ھ) نے کہا: ''ما جاء من المدينة أحفظ منه''۔
- حافظ اسماعیل ابن علیہؒ (م ۱۹۳ھ) نے ان سے راضی ہیں، ''كان ابن علية يرضاه''۔ (الجرح والتعدیل: ج ۵: ص ۲۱۲)،
- امام ابن سعدؒ (۲۳۰ھ) نے کہا: ''هو أثبت من الواسطى''۔
- امام یحیی بن معینؒ (م ۲۳۳ھ) نے کہا: ''ثقة، ليس به بأس، صالح الحديث''۔
- امام علی بن المدینیؒ (م ۲۳۴ھ) نے کہا: ''هو عندنا صالح وسط و كان يحيى بن سعيد يضعفه''۔ (سؤالات محمد بن عثمان بن أبي شيبة لعلي بن المديني: رقم ۱۲۶)،
- امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) نے کہا: ''ليس به بأس، صالح الحديث''۔

* ایک اور جگہ کہا: ''أما ما كتبنا من حديثه فصحيح''۔

- امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) نے کہا: ''أما عبد الرحمن بن إسحاق القرشي المدني فهو ثقة''۔ (العلل الکبیر للترمذی: ص ۱۷۸)،

* ایک اور جگہ کہا: ''ربما وهم''۔ (التاریخ الکبیر: ج ۵: ص ۲۵۸)،

- امام ابو الحسن العجلیؒ (م ۲۶۱ھ) نے ان کو ''الثقات'' میں شمار کیا اور کہا: ''يكتب حديثه وليس بالقوي''۔ (معرفة الثقات للعجلی: رقم ۱۰۱۸، ت البستوی)،

- حافظ یعقوب بن شیبہؒ (م ۲۶۲ھ) نے کہا: ''صالح''۔

- امام ابوداودؒ (م ۲۷۵ھ) نے کہا: ''محمد بن إسحاق قدري معتزلي، وعبد الرحمن بن إسحاق، قدري، إلا أنه ثقة''۔

- حافظ، امام ابو حاتم الرازیؒ (م ۲۷۷ھ) نے کہا: ''يكتب حديثه، ولا يحتج به، وهو قريب من محمد بن إسحاق، صاحب "المغازي"، وهو حسن الحديث، وليس بثبت ولا قوي، وهو أصلح من عبد الرحمن بن إسحاق أبي شيبة''۔

- امام یعقوب بن سفیان الفسویؒ (م ۲۷۷ھ) نے کہا: ''ليس به بأس''۔

- امام نسائیؒ (م ۳۰۳ھ) نے کہا: ''ليس به بأس، ولم يكن ليحيى القطان فيه رأي''۔

- امام ابن خزیمہؒ (م ۳۱۱ھ) نے کہا: ''ليس به بأس''۔

- حافظ زکریا الساجیؒ (م ۳۰۷ھ) نے کہا: ''صدوق، يرمى بالقدر''۔

- امام ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) نے ان کو ''الثقات'' میں شمار کیا اور کہا: ''متقن جدا''۔ (کتاب الثقات لابن حبان: ج ۷: ص ۸۶)

- حافظ ابن عدیؒ (م ۳۶۵ھ) نے کہا: ''في حديثه بعض ما ينكر، ولا يتابع عليه، والأكثر منه صحاح، وهو صالح الحديث كما قاله أحمد بن حنبل''۔

- حافظ ابن شاہینؒ (م ۳۸۵ھ) نے کہا: ''عبد الرَّحْمَن بن إسحَاق ثِقَة مديني''۔ (تاریخ اسماء الثقات: رقم ۷۸۶)،

* ایک اور جگہ کہا: ''وهذا الكلام من يحيى القطان لا يلزم الذم لعبد الرحمن، ولا سيما مع توثيق يحيى بن معين له،

وھو إلی الثقة أقرب، واللہ أعلم''۔(المختلف فیہ:ص ۴۲)،

- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے کہا:''صدوق رمي بالقدر''۔(تقریب:رقم ۳۸۰۰)

- صاحبان تحریر نے بھی حافظؒ کی تائید فرمائی ہے۔(تحریر تقریب التھذیب:رقم ۳۸۰۰)،

خلاصہ:

اگر حافظؒ کے حکم کو تسلیم کرلیا جائے، تو عبدالرحمٰن بن اسحاق المدنیؒ (م قبل ۱۵۰ھ) صدوق، حسن الحدیث ہیں، مگر یہی حال محمد بن اسحاق المدنی (م ۱۵۰ھ) کا بھی ہے، چنانچہ خود حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) نے کہا:''إمام المغازي، صدوق، یدلس، ورمي بالتشیع، والقدر''۔(تقریب:رقم ۵۷۲۵)،

- حافظ شمس الدین الذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے کہا:''الإمام کان صدوقا من بحور العلم، ولہ غرائب فی سعة ماروی تستنکر، واختلف فی الاحتجاج بہ، وحدیثہ حسن وقد صححہ جماعة''۔(الکاشف:رقم ۴۷۱۸)،

اس سلسلے میں اور بھی اقوال پیش کئے جاسکتے ہیں، مگر کہنا یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن اسحاق المدنیؒ (م قبل ۱۵۰ھ) اور محمد بن اسحاق المدنی (م ۱۵۰ھ) کا حال قریب قریب ایک ہی ہے، لہٰذا اگر چہ جزء القراءۃ میں محمد بن اسحاق المدنی (م ۱۵۰ھ) کی روایت کو، عبدالرحمٰن بن اسحاق المدنیؒ (م قبل ۱۵۰ھ) کی روایت پر ترجیح دی گئی، مگر یہ ترجیح قابل غور ہے، کیونکہ دونوں رواۃ ایک ہی طبقہ کے ہیں، جیسا کہ تفصیل گزر چکی۔

بلکہ الٹا، دیگر آثار مرفوعہ وموقوفہ کی وجہ سے محمد ابن اسحاق کے بجائے، عبدالرحمٰن بن اسحاق المدنیؒ کی روایت کو ترجیح حاصل ہوگی، کیونکہ دیگر روایات سے واضح ہے کہ مدرک الرکوع کو رکعت مل جائے گی، اور یہی جمہور اصحابِ رسول ﷺ کا مسلک ہے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ دیگر محدثین نے بھی ابن اسحاق کے بجائے، عبدالرحمٰن کی روایت کو راجح قرار دیا ہے، چنانچہ

- حافظ ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) نے کہا:''روي عن أبي ھریرۃ ((من أدرك القوم رکوعا یعتد بھا)) وھذا قول لا نعلم أن أحدا قال بہ من فقھاء الأمصار وفیہ وفي إسنادہ نظر''۔(الاستذکار:ج۱:ص ۶۲)،

- حافظ ابوبکر ابن العربیؒ (م ۵۴۳ھ) نے حافظ ابن عبدالبرؒ (م ۴۶۳ھ) کی تائید کی ہے۔(المسالک فی شرح موطا مالک: ج۱:ص ۶۲)،

- حافظ ابن رجبؒ (م ۷۹۵ھ) نے تفصیل سے بحث کرتے ہوئے کہا:

''وخرَّج البخاري في ((کتاب القراءۃ)) من طریق ابن إسحاق: أخبرني الأعرج، قال: سمعت أبا ھریرۃ

يقول: لا يجزئك إلا أن تدرك الإمام: قائماً قبل أن تركع، ثم ذكر أنه رأى ابن المديني يحتج بحديث ابن إسحاق، ثم أخذ يضَّعف عبد الرحمن بن إسحاق المديني الذي روى عن المقبري، عن أبي هريرة خلاف رواية ابن إسحاق، ووهَّن أمره جداً۔

وقد وافقه على قوله هذا، وأن من أدرك الركوع لا يدرك به الركعة، قليل من المتأخرين من أهل الحديث، منهم: ابن خزيمة وغيره من الظاهرية وغيرهم وصَنف فيه أبو بكر الصبغي من أصحاب ابن خزيمة مُصنفاً۔

وهذا شذوذ عن أهل العلم ومخالفةٌ لجماعتهم۔

وقد روي عن زيد بن وهب، أنه أدرك الركوع وقضى تلك الركعة، وهذا يحتمل أنه شك في إدراكها إدراكاً يعتد به، فلا ينسب به إليه مذهب۔

وقد روي عن ابن عمر، أنه إذا امترى: هل ركع قبل رفع إمامه أم لا، لم يعتد بتلك الركعة، وهو قول جمهور العلماء۔ وأيضا، فقد قال زيد بن وهب: إنه كان وابن مسعودٍ، وإنهما ركعا دون الصف، قال: فلما فرغ الإمام قمت أقضي، وأنا أرى أني لم أدرك، فقال ابن مسعودٍ: قد أدركته۔

فتمام الرواية يدل على أن ما فعله قد أنكره عليه ابن مسعود، ولم يكن أحد من التابعين يصر على فعله مع إنكار الصحابة عليه۔

والمروي عن أبي هريرة قد اختلف عنه فيه، وليس عبد الرحمن بن إسحاق المديني عند العلماء بدون ابن إسحاق، بل الأمر بالعكس؛ ولهذا ضَّعف ابن عبد البر وغيره رواية ابن إسحاق، ولم يثبتوها، وجعلوا رواية عبد الرحمن مقدمة على روايته۔

قال ابن عبد البر في المروي عن أبي هريرة: في إسناده نظر. قال ولا نعلم أحداً من فقهاء الأمصار قال به، وقد روي معناه عن أشهب۔

وعبد الرحمن بن إسحاق هذا يقال له: عباد. وثَّقه ابن معين. وقال أحمد: صالح الحديث، وقال ابن المديني: هو عندنا صالح وسط -: نقله عنه أبو جعفر بن أبي شيبة، وأنه قال في محمد بن إسحاق كذلك: إنه صالح وسط۔

وهذا تصريح منه بالتسوية بينهما۔

ونقل الميموني، عن يحيى بن معين، أنه قال في محمد بن إسحاق: ضعيف. وفي عبد الرحمن بن إسحاق الذي يري عن الزهري: ليس به بأس. فصرح بتقديمه على ابن إسحاق۔

وقال النسائي: ليس به بأس. وقال أبو داود: محمد بن إسحاق قدري معتزلي، وعبد الرحمن بن إسحاق قدري، إلا أنه ثقة۔

وهذا تصريح من أبي داود بتقديمه على ابن إسحاق، فأنة وثقه دون ابن إسحاق، ونسبه إلى القدر فقط، ونسب ابن إسحاق إلى القدر مع الاعتزال.

وعامة ما أنكر عليه هو القدر، وابن إسحاق يشاركه في ذلك ويزيد عليه ببدع أخر كالتشيع والاعتزال؛ ولهذا خرَّج مسلم في ((صحيحه)) لعبد الرحمن بن إسحاق ولم يخّرج لمحمد بن إسحاق إلا متابعة۔

وأيضاً، فأبو هريرة لم يقل: إن من أدرك الركوع فاتته الركعة؛ لأنه لم يقرأ بفاتحة الكتاب كما يقوله هؤلاء، إنما قال: لا يجزئك إلا أن تدرك الإمام قائماً قبل أن يركع، فلعل بفوات لحوق القيام مع الإمام۔

وهذا يقتضي أنه لو كبر قبل أن يركع الإمام، ولم يتمكن من القراءة فركع معه كان مدركاً للركعة، وهذا لا يقوله هؤلاء، فتبين أن قول هؤلاء محدث لا سلف لهم به۔

وقد روي عن أبي سعيد وعائشة: لا يركع أحدكم حتى يقرأ بأم القرآن۔

هذا - إن صح - محمول على من قدر على ذلك وتمكن منه'' ۔(فتح الباری: ج ۷: ص ۱۱۱ - ۱۱۴)،

لہٰذا حضرت ابوہریرۃؓ کے مسلک کے سلسلے میں راجح یہی ہے کہ ان کے نزدیک مدرک الرکوع کو رکعت مل جائے گی اور امام بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) کی رائے مرجوح ہے، واللہ اعلم۔

دلیل نمبر ''۸'': [ابن مسعودؓ کا فتوی]

- امام ابوبکر البیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) نے کہا:

''أخبرنا أبو زكريا بن أبي إسحاق المزكي، أنبأ أحمد بن سلمان الفقيه، أنبأ الحسن بن مكرم، ثنا علي بن عاصم، ثنا خالد الحذاء، عن علي بن الأقمر، عن أبي الأحوص، عن عبد الله يعني ابن مسعود قال: "من لم يدرك الإمام راكعا لم يدرك تلك الركعة''۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: کہ جس نے امام کو رکوع کی حالت میں نہیں پایا، اس کو وہ کعت نہیں ملی۔(**السنن الکبری للبیہقی: ج۲:ص۱۲۸، حدیث نمبر ۲۵۷۸**)،

سند کی تحقیق:

(۱) امام ابوبکر البیہقیؒ (م **۴۵۸ھ**) مشہور ثقہ، بلکہ ثبت، حافظ الحدیث ہیں۔(سیر)،

(۲) یحیی بن ابراہیم، ابوزکریا بن ابی اسحاق المزکیؒ (م **۴۱۴ھ**) بھی ثقہ، حافظ، متقن ہیں۔(**السلسبیل النقی فی تراجم شیوخ البیہقی: ص۶۴۶**)،

(۳) احمد بن سلیمان، ابوبکر النجاد الفقیہؒ (م **۳۴۸ھ**)، صدوق، امام، مکثر ہیں۔(**الدلیل المغنی لشیوخ الدارقطنی: ص۹۱**)،

(۴) الحسن بن مکرم، ابوعلی البغدادیؒ (م **۲۷۴ھ**) ثقہ، امام ہیں۔(**سیر: ج ۱۳: ص ۱۹۲**)،

(۵) علی بن عاصم الواسطی متکلم فیہ راوی ہے، (**تقریب: رقم ۴۷۵۸**)، مگر خالد الحذاءؒ (م **۱۴۲ھ**) سے، یہ روایت نقل کرنے میں ثقہ، ثبت، عابد بشر بن المفضلؒ (م **۱۸۷ھ**)، ان کے متابع میں موجود ہیں۔(**دیکھئے ص:۳۸**)،

لہذا یہاں پر، علی بن عاصم الواسطی پر کلام فضول ہے۔ واللہ اعلم

(۶) خالد بن مہران الحذاءؒ (م **۱۴۲ھ**) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔(**تقریب: رقم ۱۶۸۰**)،

(۷) علی بن الاقمر المہدانیؒ کتب ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔(**تقریب: رقم ۴۶۹۰**)،

(۸) ابوالاحوص، عوف بن مالک الکوفیؒ صحیح مسلم و سنن اربع کے راوی اور ثقہ ہیں۔(**تقریب: رقم ۵۲۱۸**)،

(۹) عبداللہ بن مسعودؓ (م **۳۳ھ**) مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔(**تقریب: رقم ۳۶۱۳**)،

حکم:

اس سند کے تمام روات ثقہ یا صدوق ہیں، البتہ علی بن عاصم الواسطی متکلم فیہ راوی ہیں، مگر ان کے متابع میں ثقہ، ثبت، عابد بشر بن المفضلؒ (م **۱۸۷ھ**) موجود ہیں، چنانچہ

دوسری سند:

- حافظ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوریؒ (م **۳۱۸ھ**) نے کہا:

حدثنا يحيى بن محمد، قال: ثنا مسدد، قال: حدثني بشر بن المفضل، عن خالد الحذاء، عن علي بن الأقمر، قال: سمعت أبا الأحوص، يحدث عن ابن مسعود، قال: من أدرك الركوع فقد أدرك۔

حضرت ابن مسعودؓ نے کہا: جس نے رکوع پایا، اس نے رکعت کو پالیا۔ (**الاوسط لابن المنذر: ج ۴: ص ۱۹۶، حدیث نمبر ۲۰۲۳**)،

سند کی تحقیق:

(۱) حافظ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوریؒ (م ۳۱۸ھ) صدوق، بلکہ ثقہ، حافظ ہیں۔ (**لسان المیزان: ج ۶: ص ۴۸۲**)،

(۲) یحیی بن محمد، ابوزکریا النیسابوری حیکانؒ (م ۲۶۷ھ) سنن ابن ماجہ کے راوی اور ثقہ، حافظ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۷۶۴۱**)،

(۳) مسدد بن مسرہد بن مسربل الاسدیؒ (م ۲۲۸ھ) صحیح بخاری وسنن ثلاثہ ماخلا ابن ماجہ کے راوی اور ثقہ، حافظ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۶۵۹۸**)،

(۴) بشر بن المفضل، ابواسماعیل البصریؒ (م ۱۸۷ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، ثبت، عابد ہیں۔ (**تقریب: رقم ۷۰۳**)،

(۵) خالد بن مہران الحذاءؒ (م ۱۴۲ھ)،

(۶) علی بن الاقمر الہمدانیؒ اور

(۸) ابوالاحوص، عوف بن مالک الکوفیؒ کی توثیق ص: ۳۸، پر موجود ہے۔

(۹) عبداللہ بن مسعودؓ (م ۳۲ھ) مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۳۶۱۳**)،

حکم:

اس سند کے تمام روات ثقہ ہیں، اور

- محدث العصر، ابوعمرو، یاسر بن محمد فتحی حفظہ اللہ اور

- شیخ زکریا بن غلام قادر صاحب نے اس کو صحیح کہا ہے۔ (**فضل الرحیم الودود بتخریج سنن ابی داود: ج ۹: ص ۵۳۱، ماصح من آثار الصحابۃ فی الفقہ: ج ۱: ص ۳۷۷**)

تیسری سند:

حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) نے کہا: زید بن وہبؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ ان کے گھر سے مسجد کیلئے نکلا،

حدثنا أبو الأحوص، عن منصور، عن زيد بن وهب، قال: خرجت مع عبد الله من داره إلى المسجد، فلما توسطنا المسجد ركع الإمام فكبر عبد الله، ثم ركع و ركعت معه، ثم مشينا راكعين حتى انتهينا إلى الصف، حتى رفع القوم رؤوسهم. قال: فلما قضى الإمام الصلاة قمت وأنا أرى أني لم أدرك، فأخذ بيدي عبد الله فأجلسني، وقال: إنك قد أدركت۔

جب ہم مسجد کے درمیان میں پہنچے تو امام رکوع میں چلے گئے، تو حضرت عبد اللہؓ نے بھی تکبیر کہا اور رکوع میں چلے گئے، آپ کے ساتھ میں بھی رکوع میں چلے گیا، پھر ہم رکوع کی حالت میں چلتے ہوئے صف میں پہنچے، جب تک لوگ رکوع سے اٹھ گئے تھے، کہتے ہیں: جب امام صاحب نے نماز مکمل کر لی تو میں نماز مکمل کرنے کیلئے کھڑا ہو گیا، میرا خیال تھا کہ مجھے رکعت نہیں ملی ہے، تو حضرت ابن مسعودؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بٹھا دیا اور فرمایا تم نے رکعت پالی تھی۔ (**المصنف لابن ابی شیبۃ: حدیث نمبر ۲۶۳۷، ت عوامۃ**)،

سند کی تحقیق:

(۱) حافظ ابو بکر ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) صحیحین کے راوی اور مشہور ثقہ، حافظ، صاحب التصانیف ہیں۔ (**تقریب**)،

(۲) ابو الاحوص، سلام بن سلیم الحنفیؒ (م ۱۷۹ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، متقن، صاحبِ حدیث ہیں۔ (**تقریب: رقم ۲۷۰۳**)،

(۳) منصور بن المعتمر الکوفیؒ (م ۱۳۲ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، ثبت، امام ہیں۔ (**تقریب: رقم ۶۹۰۸**)،

(۴) زید بن وہب الجہنیؒ (م بعد ۸۰ھ) بھی کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، جلیل ہیں۔ (**تقریب: رقم ۲۱۵۹**)،

(۵) عبد اللہ بن مسعودؓ (م ۳۲ھ) مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (**تقریب: رقم ۳۶۱۳**)،

حکم:

اس سند کے تمام روات ثقہ ہیں، اور محدث العصر، ابو عمرو، یاسر بن محمد فتحی حفظہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (**فضل الرحیم الودود بتخریج سنن ابی داود: ج ۹: ص ۵۳۲**)،

دلیل نمبر "۹": [علیؓ کا فتوی]

حافظ ابو بکر ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) نے کہا:

حدثنا يحيى بن آدم، قال: حدثنا إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن هبيرة، عن علي، قال: لا يعتد بالسجود إذا لم

يدرك الركوع۔

حضرت علیؓ نے کہا: کہ اگر رکوع نہ ملے، تو سجدہ بھی شمار نہیں کیا جائے گا۔(**المصنف لابن ابی شیبۃ: حدیث نمبر ۲۶۳۷، ت عوامۃ**)،

سند کی تحقیق:

(۱)　حافظ ابوبکر ابن ابی شیبۃؒ (م ۲۳۵ھ) صحیحین کے راوی اور مشہور ثقہ، حافظ، صاحب التصانیف ہیں۔(**تقریب**)،

(۲)　یحیی بن آدم الاموی الکوفیؒ (م ۲۰۳ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، حافظ، فاضل ہیں۔(**تقریب: رقم ۷۴۹۶**)،

(۳)　اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبیعیؒ (م ۱۶۰ھ) بھی کتب ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔(**تقریب: رقم ۴۰۱**)،

(۴)　ابواسحاق، عمرو بن عبداللہ السبیعیؒ (م ۱۲۸ھ) کتب ستہ کے مرکزی راوی اور ثقہ، حافظ، مکثر ہیں۔(**تقریب: رقم ۵۰۶۵**)،

نوٹ نمبر "۱":

امام ابواسحاق، عمرو بن عبداللہ السبیعیؒ (م ۱۲۸ھ)، اگر چہ مدلس ہیں، مگر المعجم الکبیر للطبرانی کی روایت میں انہوں نے سماع کی صراحت کر دی ہے۔(**ج۹: ص ۲۷۰، حدیث نمبر ۹۳۵۱، نیز دیکھئے مصنف عبدالرزاق: حدیث نمبر ۳۳۷۱**)،

نوٹ نمبر "۲":

حافظ ابواسحاق، عمرو بن عبداللہ السبیعیؒ (م ۱۲۸ھ) کا اخیر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، جیسا کہ کہا گیا، مگر ان کے پوتے، اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبیعیؒ (م ۱۶۰ھ) نے، ان سے قبل الاختلاط روایت لی ہے۔(**مجلہ الاجماع: ش ۱۶: ص ۱۷**)،

لہذا یہاں پر اختلاط کا اعتراض بھی فضول ہے۔

(۵)　ھبیرۃ بن یریم الکوفیؒ (م ۶۶ھ) سنن اربع کے راوی اور ان میں کوئی حرج نہیں، یعنی ثقہ ہیں۔(**تقریب: رقم ۷۲۶۸**)،

(۶)　حضرت علی بن ابی طالبؓ (م ۴۰ھ) مشہور صحابی رسول ﷺ اور امیر المؤمنین، خلیفہ راشد ہیں۔(**تقریب**)،

حکم:

اس سند کے تمام روات ثقہ ہیں، اور محدث العصر، ابوعمرو، یاسر بن محمد فتحی حفظہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔(**فضل الرحیم الودود بتخریج سنن ابی داود: ج۹: ص ۵۳۲**)،

دلیل نمبر "۱۰":　　[زید بن ثابت ؓ کا فتوی]

- امام مالک بن انس ؒ (م۱۷۹ھ) نے کہا:

أنه بلغه أن عبد الله بن عمر و زيد بن ثابت كانا يقولان: من أدرك الركعة من قبل أن يرفع الإمام رأسه فقد أدرك السجدة۔

حضرت ابن عمر ؓ اور زید بن ثابت ؓ نے کہا کہ جس نے امام کے سر اٹھانے سے پہلے رکوع پایا، اس نے رکعت پالی۔ (**موطا امام مالک بروایۃ ابی مصعب الزہری: ص ۱۰، حدیث نمبر ۱۸**)،

نوٹ:

اگر چہ، امام مالک ؒ (م۱۷۹ھ) نے یہ روایت تعلیقاً ذکر کی ہے، مگر اس کی سند المصنف لابن ابی شیبۃ میں موجود ہے، چنانچہ حافظ ابوبکر ابن ابی شیبۃ ؒ (م۲۳۵ھ) نے کہا:

حدثنا عبد الأعلى، عن معمر، عن الزهري، عن سالم، عن ابن عمر و زيد بن ثابت، قالا: إن وجدهم وقد رفعوا رؤوسهم من الركوع كبر و سجد ولم يعتد بها۔

حضرت زید بن ثابت ؓ نے کہا: کہ جب کوئی جماعت کو اس حال میں پائے کہ وہ رکوع سے سر اٹھا چکے ہیں، تو اسے چاہئے کہ وہ تکبیر کہہ جماعت کے ساتھ سجدہ کر لے البتہ اس رکعت کو شمار نہ کرے۔ (**المصنف لابن ابی شیبۃ: حدیث نمبر ۲۶۴۳۷، ت عوامۃ**)،

سند کی تحقیق:

(۱) حافظ ابوبکر ابن ابی شیبۃ ؒ (م۲۳۵ھ) صحیحین کے راوی اور مشہور ثقہ، حافظ، صاحب التصانیف ہیں۔ (تقریب)،

(۲) عبد الاعلی بن عبد الاعلی السامی ؒ (م۱۸۹ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۳۷۳۴**)،

(۳) معمر بن راشد الازدی ؒ (م۱۵۴ھ) بھی کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، ثبت، فاضل ہیں۔ (**تحریر تقریب التہذیب: رقم ٦٨٠٩**)،

(۴) امام ابن شہاب الزہری ؒ (م۱۲۵ھ) کتب ستہ کے مرکزی راوی اور متفق علیہ طور پر ثقہ، حافظ، متقن ہیں۔ (**تقریب: رقم ٦٢٩٦**)،

نوٹ:

امام ابن شہاب الزہری ؒ (م۱۲۵ھ) اگر چہ مدلس ہیں، مگر ائمہ محدثین کے نزدیک، ان کا "عنعنہ" مقبول ہے۔ (**معجم**

المدلسین :ص ۴۱۷)،

(۵) سالم بن عبداللہ بن عمرؒ (م ۱۰۶ھ) بھی کتب ستہ کے راوی اور ثبت، عابد، فقیہ ہیں۔(تقریب:رقم ۲۱۷۶)،

(۶) حضرت ابن عمرؓ (م ۷۴ھ) مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔(تقریب:رقم ۳۴۹۰)،اسی طرح زید بن ثابتؓ (م ۴۸ھ) بھی مشہور صحابی رسول ﷺ اور کاتب الوحی، و قدوۃ الفرضیین ہیں۔(تقریب، الکاشف)،

حکم:

اس سند کے تمام روات ثقہ ہیں، البتہ ایک علت خفی ہے اور وہ یہ کہ ائمہ کے نزدیک، سالمؒ (م ۱۰۶ھ) کا سماع، حضرت زید بن ثابتؓ (م ۴۸ھ) سے ثابت نہیں ہے۔(تحفۃ التحصیل :ص ۱۲۱)،مگر یہاں سند پر نظر کریں ''عن سالم، عن ابن عمرو زید بن ثابت'' تو احتمال ظاہر ہوتا ہے کہ سالمؒ نے یہ بات، اپنے والدِ گرامی ابن عمرؓ سے لی ہوگی، کیونکہ انکے والد نے حضرت زید بن ثابتؓ سے روایات لی ہے۔(تہذیب الکمال: ج۱۰: ص ۲۵-۲۶)،

اس قوی احتمال کے علاوہ، اس روایت کا ایک قوی شاہد موجود ہے، جس سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے، لہذا انقطاع کا اعتراض کمزور ہی ہے۔

دوسری روایت:

حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) نے کہا:

حدثنا ابن عيينة، عن الزهري، عن أبي أمامة: أن زيد بن ثابت ركع قبل أن يصل إلى الصف، ثم مشى راكعا۔

حدثنا وكيع، عن عبيد الله بن عبد الرحمن بن موهب، عن كثير بن أفلح، عن زيد بن ثابت؛ أنه دخل والقوم ركوع، فركع دون الصف، ثم دخل في الصف۔

حضرت زید بن ثابتؓ [مسجد میں داخل ہوئے، جب کہ لوگ رکوع میں تھے، تو انہوں] نے صف سے پہلے ہی رکوع کر لیا اور پھر چل کر صف میں داخل ہو گئے۔(المصنف لابن ابی شیبۃ: حدیث نمبر ۲۶۳۹، ت عوامۃ)،

سند کی تحقیق:

(۱) حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) صحیحین کے راوی اور مشہور ثقہ، حافظ، صاحب التصانیف ہیں۔(تقریب)،

(۲) امام سفیان بن عیینہؒ (م ۱۹۸ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، حافظ، امام، حجت ہیں۔(تقریب:رقم ۲۴۵۱)، اور انکے متابع میں ثقہ، حافظ، عابد، امام وکیعؒ (م ۱۹۷ھ) موجود ہیں۔(تقریب: رقم ۷۴۱۴)،

نوٹ:

چونکہ امام وکیعؒ (م۱۹۷ھ) متابع میں ہے، اس لئے سفیان بن عیینہؒ (م۱۹۸ھ) کی ''عنعنہ'' پر اعتراض فضول ہے۔

(۳)　امام ابن شہاب الزہریؒ (م۱۲۵ھ) کا تعارف گزر چکا، (دیکھئے، ص:۴۲)، اور ان کے متابع میں حسن الحدیث راوی، عبید اللہ بن عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن موہبؒ (م۱۵۴ھ) موجود ہیں۔ **(الکامل لابن عدی: ج۵: ص۵۳۰)**،

نوٹ:

چونکہ حسن الحدیث راوی، عبید اللہ بن عبد الرحمٰن بن موہبؒ (م۱۵۴ھ) متابع میں ہے، اس لئے امام زہریؒ (م۱۲۵ھ) کی ''عنعنہ'' پر بھی اعتراض بیکار ہے۔ نیز الجامع لابن وہب اور **السنن الکبری للبیہقی: ج۲: ص۱۲۹** کی روایت میں انہوں نے سماع کی صراحت بھی کر دی ہے۔ **(الجامع: ج۱: ص۲۴۶، حدیث نمبر ۴۱۷)**،

(۴)　اسعد بن سہل، ابو امامۃ الانصاری المدنیؓ (م۱۰۰ھ) صحابی رسول ﷺ ہیں۔ **(تقریب: رقم ۴۰۲)**، اور ان کے متابع میں ثقہ راوی کثیر بن افلح موجود ہیں۔ **(تقریب: رقم ۵۶۰۶)**،

(۵)　زید بن ثابتؓ (م۴۸ھ) مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ **(تقریب)**،

حکم:

ان دونوں سندوں کے تمام روات ثقہ یا صدوق ہیں، لہذا یہ حدیث مجموعی طور پر صحیح ہے اور معلوم ہوا کہ اگر امام صاحب رکوع میں ہوتے، تو زید بن ثابتؓ رکوع پانے کی غرض سے صف سے پہلے ہی رکوع کر لیتے اور بعد میں، چل کر صف میں داخل ہوتے۔

اور حضرت ابوبکرۃ و ابن مسعودؓ کی روایات گزر چکی کہ ان حضرات نے یہ اس لئے کیا تھا کہ ان کے نزدیک، رکوع ملنے سے رکعت مل جائے گی اور حضرت زید بن ثابتؓ کا یہ عمل بھی اسی پر دال ہے کہ وہ رکوع ملنے سے رکعت ملنے کے قائل ہیں، جیسا کہ ان کی کوشش سے ظاہر ہے، ورنہ یہ تکلف کی ضرورت نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ امام ابوبکر البیہقیؒ (م۴۵۸ھ) نے کہا:

''وفي ذلك دليل على إدراك الركعة ولولا ذلك لما تكلفوه''۔

ان آثار میں دلیل ہے کہ ان حضرات کے نزدیک رکوع ملنے سے رکعت مل جائے گی، اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ حضرات رکوع پانے کی یہ تگ و دو نہ کرتے۔ **(السنن الکبری للبیہقی: ج۲: ص۲۹)**،

لہذا اس صحیح روایت سے، حضرت زیدؓ کی ماقبل روایت کی قوی تائید ہوتی ہے، جس کی وجہ سے، اس پر انقطاع کا اعتراض کمزور ہے، واللہ اعلم۔

الغرض ثابت ہوا کہ حضرت زید بن ثابتؓ (م ۴۸ھ) کے نزدیک بھی رکوع ملنے سے رکعت مل جائے گی۔

دلیل نمبر "۱۱": [ابن عمرؓ کا فتوی]

حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) نے کہا:

حدثنا عبد الأعلى، عن معمر، عن الزهري، عن سالم، عن ابن عمر وزيد بن ثابت، قالا: إن وجدهم وقد رفعوا رؤوسهم من الركوع كبر وسجد ولم يعتد بها۔

حضرت ابن عمرؓ نے کہا: کہ جب کوئی جماعت کو اس حال میں پائے کہ وہ رکوع سے سر اٹھا چکے ہیں، تو اسے چاہئے کہ وہ تکبیر کہہ کر جماعت کے ساتھ سجدہ کرلے البتہ اس رکعت کو شمار نہ کرے۔ (**المصنف لابن ابی شیبۃ: حدیث نمبر ۲۶۳۷، ت عوامۃ**)،

سند کی تحقیق:

(۱) حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ)،

(۲) عبد الاعلی بن عبد الاعلی السامیؒ (م ۱۸۹ھ)،

(۳) معمر بن راشد الازدیؒ (م ۱۵۴ھ) کا تعارف ص: ۴۲، پر موجود ہے۔

(۴) امام ابن شہاب الزہریؒ (م ۱۲۵ھ) کتب ستہ کے مرکزی راوی اور متفق علیہ طور پر ثقہ، حافظ، متقن ہیں۔ (**تقریب: رقم ۶۲۹۶**)،

نوٹ:

امام ابن شہاب الزہریؒ (م ۱۲۵ھ) اگرچہ مدلس ہیں، مگر ائمہ محدثین کے نزدیک، ان کا "عنعنہ" مقبول ہے۔ (**معجم المدلسین: ص ۴۱۷**)، نیز ان کے متابع میں ثقہ، ثبت، فقیہ امام نافعؒ (م ۱۱۷ھ) موجود ہیں، جیسا کہ روایت آگے آرہی ہے۔

لہذا یہاں پر، ان کی "عنعنہ" پر اعتراض مردود ہے۔

(۵) سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ (م ۱۰۶ھ) بھی کتب ستہ کے راوی اور ثبت، عابد، فقیہ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۲۱۷۶**)،

(۶) حضرت ابن عمرؓ (م ۷۴ھ) مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۳۴۹۰**)،

حکم:

اس روایت کے تمام روات ثقہ ہیں اور سند صحیح ہے، واللہ اعلم۔

دوسری سند:

الامام، الحافظ الکبیر، عبدالرزاق بن ہمام الصنعانیؒ (م ۲۱۱ھ) نے کہا:

عن ابن جريج قال: أخبرني نافع، عن ابن عمر قال: إذا أدركت الإمام راكعا فركعت قبل أن يرفع فقد أدركت، وإن رفع قبل أن تركع فقد فاتتك۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر تم امام کو رکوع میں پاؤ تو اگر اس کے سر اٹھانے سے پہلے تم نے رکوع کر لیا تو تم کو رکعت مل گئی اور اگر تمہارے رکوع کرنے سے پہلے امام نے سر اٹھا لیا تو تمہاری وہ رکعت چھوٹ گئی۔ (**مصنف عبدالرزاق: ج ۲: ص ۲۷۹، حدیث نمبر ۳۳۶۱**)،

سند کی تحقیق:

(۱) الامام، الحافظ الکبیر، عبدالرزاق بن ہمام الصنعانیؒ (م ۲۱۱ھ) مشہور ثقہ، حافظ، صاحب المصنف ہیں۔ (**تحریر تقریب التہذیب: رقم ۴۰۶۴**)،

نوٹ:

اگر چہ عبدالرزاق بن ہمامؒ (م ۲۱۱ھ) مدلس ہیں اور یہاں پر انہوں نے "عنعنہ" کیا ہے، مگر ان متابع میں عبدالاعلی بن عبدالاعلی السامیؒ (م ۱۸۹ھ) موجود ہے، دیکھئے ص: ۴۵۔

لہذا یہاں، ان کی "عنعنہ" پر اعتراض باطل ہے۔

(۲) حافظ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریجؒ (م ۱۵۰ھ) بھی کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، فقیہ، فاضل ہیں۔ (**تقریب: رقم**

نوٹ:

یہاں اس سند میں ابن جریجؒ (م ۱۵۰ھ) نے سماع کی صراحت کر دی ہے، لہذا یہاں تدلیس کا اعتراض باطل ہے۔

(۳) امام نافع مولی ابن عمرؒ (م ۱۱۷ھ) بھی کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، ثبت، فقیہ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۷۰۸۶**)،

(۴) ابن عمرؓ (م ۷۴ھ) مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ (**تقریب: رقم ۳۴۹۰**)،

حکم:

معلوم ہوا کہ اس سند کے تمام روات ثقہ ہیں اور سند صحیح ہے، واللہ اعلم۔

دلیل نمبر" ۱۲ ": **[عبداللہ بن الزبیرؓ کا عمل]**

حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) نے کہا:

حدثنا عبيد الله، عن عثمان بن الأسود، قال: دخلت أنا وعمرو بن تميم المسجد فركع الإمام، فركعت أنا وهو، ومشينا راكعين حتى دخلنا الصف، فلما قضينا الصلاة، قال لي عمرو: الذي صنعت آنفا ممن سمعته؟ قلت: من مجاهد، قال: قد رأيت ابن الزبير فعله۔

عثمان بن الاسودؒ کہتے ہیں کہ میں اور عمرو بن تمیم مسجد میں داخل ہوئے، اتنے میں رکوع میں چلے گئے تم ہم دونوں بھی رکوع میں چلے گئے، پھر بحالتِ رکوع چلتے ہوئے صف میں داخل ہو گئے، جب ہم نے نماز پوری کر لی تو عمرو نے مجھ سے کہا کہ ابھی جو تم نے کیا یہ کس سے سنا ہے؟ میں نے کہا مجاہدؒ سے، انہوں نے کہا میں نے ابن الزبیرؓ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔(**المصنف لابن ابی شیبۃ: حدیث نمبر ۲۶۴۶، ت عوامۃ**)،

سند کی تحقیق:

(۱) حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہؒ (م ۲۳۵ھ) کا تعارف ص: ۴۲، پر موجود ہے۔

(۲) عبید اللہ بن موسی العبسیؒ (م ۲۱۳ھ) کتب ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔(**تقریب: رقم ۴۳۴۵**)،

(۳) عثمان بن الاسود المکیؒ (م ۱۵۰ھ) بھی کتب ستہ کے راوی اور ثقہ، ثبت ہیں۔(**تقریب: رقم ۴۴۵۱**)،

(۴) عمرو بن تمیم المکی کو حافظ ابن حبانؒ (م ۳۵۴ھ) اور حافظ قاسم بن قطلو بغاؒ (م ۸۷۹ھ) نے اپنی اپنی "الثقات" میں شمار کیا ہے۔(**کتاب الثقات لابن حبان: ج ۵: ص ۱۷۲، کتاب الثقات للقاسم: ج ۷: ص ۳۳۴، نیز دیکھئے تعجیل المنفعۃ: ج ۲: ص ۵۳**)،

لہذا عمرو بن تمیم المکیؒ، صدوق، حسن الحدیث ہیں، واللہ اعلم۔

(۵) عبداللہ بن الزبیرؓ (م ۷۳ھ) مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں۔(**تقریب**)،

حکم:

اس سند کے تمام رواۃ ثقہ یا صدوق ہیں، لہذا سند حسن ہے، واللہ اعلم۔

اور دیگر اصحابؓ کی روایات گزر چکی کہ ان حضرات نے یہ اس لئے کیا تھا کہ ان کے نزدیک، رکوع ملنے سے رکعت مل جائے گی، ورنہ یہ تکلف کی ضرورت نہیں تھی، اس سلسلے میں امام البیہقیؒ (م ۴۵۸ھ) کی تصریح بھی گزر چکی۔(دیکھئے ص: ۴۴)،

لہذا اصحابی رسول ﷺ ،حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ (م ۷۳ھ) کے نزدیک بھی ،رکوع ملنے سے رکعت مل جائے گی ،واللہ اعلم ۔

خلاصہ:

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ احادیث مرفوعہ کے ساتھ ساتھ ،اصحاب رسول ﷺ کی ایک جماعت مثلاً حضرت علیؓ ،ابن مسعودؓ ،زید بن ثابتؓ ،ابن عمرؓ ،ابن الزبیرؓ ،ابوبکرۃؓ ،ابو ہریرۃؓ وغیرہ کے نزدیک بھی رکوع ملنے سے رکعت مل جائے گی ۔

ائمہ عظام کے مسالک:

جمہورِامت ، بلکہ خیرالقرون کے اکثر ائمہ کے نزدیک ،رکوع ملنے سے رکعت مل جاتی ہے ،جس میں تمام ائمہ مجتہدین شامل ہیں ،چنانچہ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے ان کا یہ قول منقول ہے کہ جس نے رکوع نہیں پایا ،اس کے سجدہ پانے کا بھی کوئی اعتبار نہیں ۔

- حافظ ابن المنذر النیسابوریؒ (م ۳۱۸ھ) نے کہا:

واختلفوا في الوقت الذي يكون المرء مدركاً للركعة فقال ابن مسعود: من أدرك الركوع فقد أدرك، وبه قال ابن عمر، وسعيد بن المسيب، وميمون بن مهران، وسفيان الثوري، والأوزاعي، والشافعي، وأحمد، وإسحاق، وأبو ثور، وهذا مذهب مالك، والنعمان۔

وروينا عن علي، وابن مسعود أنهما قالا: من لم يدرك الركعة فلا يعتد بالسجود۔

وقال قتادة، وحميد، وأصحاب الحسن: إذا وضع يديه على ركبته قبل أن [[يرفع]] الإمام رأسه فقد أدرك، وإن رفع الإمام رأسه قبل أن يضع يديه فلا يعتد به۔

وفيه قول ثان: قاله أبو هريرة قال: من أدرك القوم ركوعاً فلا يعتد بالركعة.

وفيه قول ثالث: قاله الشعبي قال: فإذا انتهيت إلى الصف الآخر ولم يرفعوا رؤوسهم وقد رفع الإمام فاركع فإن بعضكم أئمة لبعض۔

وقال ابن أبي ليلى: إذا كبر قبل أن يرفع الإمام رأسه أَتبع الإمام وكانوا بمنزله القائم.

قال أبو بكر: بالقول الأول أقول۔

اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ نماز میں کس وقت شامل ہونے والے کو رکعت کا پانے والا سمجھا جائے گا ،حضرت ابن

مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جس نے رکوع پالیا اس نے (رکعت بھی) پالی، یہی بات ابن عمر، ابن مسیب، میمون بن مہران، سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، اور ابو ثور رحمہم اللہ بھی کہتے ہیں اور یہی امام مالک اور امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ اور قتادہؒ، حمید ؒ اور حسن بصریؒ کے شاگردوں کا کہنا ہے کہ (نماز میں شامل ہونے والے نے) اگر امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے گھٹنے پر ہاتھ رکھ دیا تو اسے رکعت مل گئی اور اگر اس کے ہاتھ رکھنے سے پہلے امام نے سر اٹھالیا تو اس کے شامل ہونے کا اعتبار نہیں ہوگا۔

دوسرا قول حضرت ابو ہریرہؓ کا ہے کہ جس نے جماعت کو رکوع کی حالت میں پایا اس کی وہ رکعت نہیں شمار کی جائے گی۔

تیسرا قول امام شعبیؒ کا ہے کہ جب تم آخری صف میں پہنچو اور مقتدیوں نے ابھی رکوع سے اپنا سر نہیں اٹھایا تھا البتہ امام نے اٹھالیا تھا تو تم بھی رکوع میں چلے جاؤ، اس لئے کہ تم میں سے بعض بعض کے امام ہو۔

اور ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے کہ امام کے سر اٹھانے سے پہلے اگر اس نے تکبیر کہہ دی تو وہ امام کی اتباع کرے گا اور وہ حالت قیام میں سمجھے جائیں گے۔

امام ابن المنذرؒ فرماتے ہیں: میں بھی قول اول کا قائل ہوں۔ **(الاشراف لابن المنذر: ج ۲: ص ۱۴۱-۱۴۲)**،

- اسی طرح، امام ابو جعفر الطحاویؒ **(م ۳۲۱ھ)** نے کہا:

''فرأيناهم جميعا لا يختلفون في الرجل ,يأتي الإمام ,وهو راكع أنه يكبر ويركع معه ,ويعتد تلك الركعة , وإن لم يقرأ فيها شيئا. فلما أجزاه ذلك في حال خوفه فوت الركعة ,احتمل أن يكون إنما أجزاه ذلك لمكان الضرورة , واحتمل ,أن يكون إنما ,أجزاه ,ذلك لأن القراءة خلف الإمام ليست عليه فرضا ,فاعتبرنا ذلك-------وهو قول أبي حنيفة ,وأبي يوسف ,ومحمد رحمهم الله تعالى''۔

تو ہم تمام علماء کو دیکھتے ہیں کہ ان کا اس شخص کے بارے میں اختلاف نہیں ہے جو امام کو رکوع کی حالت میں پاتا ہے تو تکبیر کہہ کر خود بھی رکوع میں شامل ہوجاتا ہے اور اس رکعت کو شمار کرتا ہے، چاہے اس (رکعت میں اس) نے کوئی تلاوت نہ کی ہو، پس جب یہ (قراءت نہ کرنا) اس کے لئے جائز ہے اس وقت جب کہ رکعت چھوٹنے کا خوف ہو، تو اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ ضرورت کی وجہ سے جائز ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ (اس کا قراءت نہ کرنا) اس لئے جائز ہے کہ امام کے پیچھے قراءت کرنا فرض ہی نہیں ہے، پس ہم نے اس کا اعتبار کیا، اور یہی امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول ہے۔ **(شرح معانی الآثار: ج ۱: ص ۲۱۸)**،

* ایک اور جگہ کہا: کہ

''قال أصحابنا والأوزاعي إذا أدركه راكعا وأمكنه الركوع فلم يكبر حتى رفع الإمام رأسه أنه لا يعتد بتلك

الركعة وهو قول الشافعي''۔

ہمارے علماء اور امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ نماز میں شامل ہونے والے نے امام کو رکوع کی حالت میں پایا اور وہ بھی رکوع میں شامل ہوسکتا تھا مگر اس نے تکبیر نہیں کہا یہاں تک کہ امام نے رکوع سے اپنا سر اٹھا دیا تو وہ شخص اس رکعت کو شمار نہیں کرے گا، یہی امام شافعیؒ کا بھی قول ہے۔(**مختصر اختلاف العلماء: ج۱: ص۲۵۸**)،

- حافظ ابن رجب الحنبلیؒ (م۷۹۵ھ) نے کہا:

''وهذا قول جمهور العلماء''۔(**فتح الباری: ج۷: ص۱۰۹**)،

- بلکہ امام اسحاق بن راہویہؒ (م۲۳۸ھ) نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے۔(**فتح الباری: ج۷: ص۱۰۹**)،

- اسی طرح، احمد بن حنبلؒ (م۲۴۱ھ) نے کہا:

''لم يخالف في ذلك أحد من أهل الإسلام''۔

اس مسئلہ میں اہل اسلام میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔(**کتاب الامام احمد بروایۃ ابی طالب** بحوالہ فتح الباری: ج۷: ص ۱۰۹)،

* نیز حافظ ابن رجب الحنبلیؒ (م۷۹۵ھ) نے کہا:

''وقد روي هذا عن عليٍ وابن مسعود وابن عمر وزيد بن ثابتٍ وأبي هريرة - في رواية عنه رواها عبد الرحمن بن إسحاق المديني، عن المقبري، عنه۔

وذكر مالك في ((الموطأ)) أنه بلغه عن أبي هريرة، أنه قال: من أدرك الركعة فقد أدرك السجدة۔

وهو قول عامة علماء الأمصار.

ثم من رأى أن القراءة لا تجب على المأموم استدل به على أن القراءة غير لازمة للمأموم بالكلية، ومن رأى لزوم القراءة له كالشافعي قال: إنها تسقط ها هنا للضرورة وعدم التمكين منها۔

وجعله إسحاق دليلاً على أن القراءة لا تجب إلا في ثلاث ركعاتٍ من الصلاة۔

ولازم هذا: أنه لو أدرك الركوع في ركعةٍ من الصبح أنه لا يعتد بها؛ لأنه فاتته القراءة في نصف الصلاة۔

وهذا التفصيل محدث مخالف الإجماع''۔

اور یہ حضرات علی، ابن مسعود، ابن عمر، زید بن ثابت اور ایک روایت میں ابو ہریرہؓ سے بھی منقول ہے، حضرت ابو ہریرہ

سے اس قول کو عبدالرحمن بن اسحاق المدینی نے مقبری کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ اور امام مالکؒ نے مؤطا میں ذکر کیا ہے کہ انہیں حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ قول پہنچا ہے کہ جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت پالی۔

یہی اکثر فقہاء کا قول ہے۔

پھر جن علماء کا کہنا ہے کہ مقتدی پر قراءت واجب نہیں وہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ مقتدی پر قراءت مطلقا لازم نہیں، اور جو علماء مقتدی کیلئے قراءت کو لازم کہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہاں اس پر سے قراءت ضرورۃً قراءت پر عدم قدرت کی وجہ سے ساقط ہوگئی۔ اور امام اسحاقؒ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ قراءت نماز کی صرف رکعتوں میں فرض ہے۔ جس کا ثمرہ یہ ہوگا کہ اگر اس نے فجر کی نماز میں رکوع پالیا تو اس رکعت کا اعتبار نہیں کرے گا کیونکہ آدھی نماز میں اس کی قراءت چھوٹ گئی۔ یہ تفصیل نئی اور اجماع کے خلاف ہے۔ (**فتح الباری: ج۷: ص۱۰۹-۱۱۰**)،

- حافظ المغرب، امام ابن عبد البرؒ (م ۴۶۳ھ) نے کہا:

''قال جمهور الفقهاء من أدرك الإمام راكعا فكبر وركع وأمكن يديه من ركبتيه قبل أن يرفع الإمام رأسه من الركعة فقد أدرك الركعة ومن لم يدرك ذلك فقد فاتته الركعة ومن فاتته الركعة فقد فاتته السجدة أي لا يعتد بها ويسجدهما

هذا مذهب مالك والشافعي وأبي حنيفة وأصحابهم والثوري والأوزاعي وأبي ثور وأحمد وإسحاق، وروي ذلك عن علي بن أبي طالب وابن مسعود وزيد بن ثابت وابن عمر۔

وقد ذكرنا الآثار بذلك في ((التمهيد))۔

وبه قال عطاء وإبراهيم وعروة بن الزبير وميمون بن مهران ــــــ وهو قول إبراهيم وعروة وعطاء والحسن وقتادة والحكم وميمون وجماعة''۔

جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ جس نے امام کو رکوع میں پایا پس وہ بھی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا گیا، اور امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے اپنے ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑ لیا تو اس کو رکوع مل گیا، اور جو ایسا نہیں کر سکا اس کا رکوع چھوٹ گیا، اور جس کا رکوع چھوٹ گیا اس کی رکعت چھوٹ گئی، یعنی اس (رکعت) کو شمار نہیں جائے گا اسے دوبارہ پڑھنا ہوگا۔

یہی ائمہ کرام مالک، شافعی، ابوحنیفہ، ان کے شاگرد، ثوری، اوزاعی، ابوثور، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے، اور یہی حضرات علی، ابن مسعود، زید بن ثابت اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ (**الاستذکار لابن عبد البر: ج۱: ص۶۳**)

- امام ابوالولید الباجیؒ (م ۴۷۴ھ) نے کہا:

''ولا خلاف بين الأمة أن من أدرك سجدة من صلاة الإمام فإنه لا يعتد بها وإنما يعتد بها إذا أدرك الركعة''۔

اس باب میں امت میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جس نے امام کو سجدے میں پایا تو وہ اس رکعت کو شمار نہیں کرے گا، البتہ اس رکعت کا اس وقت اعتبار کیا جائے گا جب اسے رکوع ملے۔ (**المنتقی للباجی: ج۱: ص ۶۳**)

- امام ابوالحسن الماروديؒ (م ۴۵۰ھ) نے کہا:

''ولأنه بإدراك الركوع يدرك أكثر الركعة فجاز أن يقوم مقام إدراك جميع الركعة، وهذا قول مجمع عليه''۔

اس لئے کہ رکوع پانے سے اس نے رکعت کا اکثر حصہ پالیا پس جائز ہوا کہ یہ پوری رکعت پانے کے قائم مقام ہو، اور یہ قول متفق علیہ ہے۔ (**الحاوی الکبیر للماوردی: ج۲: ص۱۲۱**)،

- امام بدرالدین العینیؒ (م ۸۵۵ھ) نے کہا:

''وعند أصحابنا، وهو قول الجمهور: أنه يكون مدركا لتلك الركعة لحديث أبي بكرة حيث ركع دون الصف، فقال له النبي، صلى الله عليه وسلم: (زادك الله حرصا ولا تعد). ولم يأمره بإعادة تلك الركعة''۔

ہمارے علماء کے نزدیک اور یہی جمہور کا بھی قول ہے کہ وہ اس رکعت کا پانے والا شمار ہوگا، حضرت ابوبکرہؓ کی حدیث کی وجہ سے، چنانچہ انہوں نے صف سے پہلے رکوع کرلیا، تو نبی اکرم ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ آپ کی حرص میں اضافہ فرمائے، آئندہ ایسا نہ کیجئے گا'' البتہ انہیں اس رکعت کا اعادہ کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔ (**عمدۃ القاری: ج۵: ص ۱۵۳**)،

- حافظ ابن القطان الفاسیؒ (م ۶۲۸ھ) نے کہا:

''وجمهور العلماء على أن من أدرك الإمام راكعًا فكبر وركع وأمكن كفيه من ركبتيه قبل أن يرفع الإمام رأسه من الركوع فقد أدرك الركعة''۔

جمہور علماء کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ جس نے امام کو رکوع کی حالت میں پایا پس اس نے بھی تکبیر کہا اور رکوع میں چلا گیا اور امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے گھٹنوں کو پکڑ لیا اس نے وہ رکعت پالی۔ (**الاقناع فی مسائل الاجماع: ج۱: ص ۱۵۲**)،

- قاضی شوکانیؒ (م ۱۲۵۰ھ) نے بھی کہا:

’’وكذلك قوله في حديث أبي هريرة: "من أدرك ركعة من الصلاة" فيكون مدرك الإمام راكعا مدركا لتلك الركعة، وإلى ذلك ذهب الجمهور‘‘۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ’’جس نے نماز میں رکوع پایا‘‘ کے باب میں ان کا کہنا ہے کہ پس امام کو رکوع کی حالت میں پانے والا اس رکعت کو پانے والا ہوگا، جمہور علماء کا بھی یہ مذہب ہے۔**(نیل الاوطار: ج ۳: ص ۱۸۱)**،

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جمہور ائمہ اور مذاہب متبعین کے نزدیک، رکوع ملنے سے رکعت مل جائے گی۔

اور دلائل اور جمہور امت کے مقابلے میں امام بخاریؒ اور ان کے استاذ کا مسلک – فیما قیل – مرجوح ہے۔

الغرض احادیث مرفوعہ وموقوفہ کی روشنی میں، راجح یہی ہے کہ رکوع ملنے سے رکعت مل جائے گی۔